وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

دانش کدہ

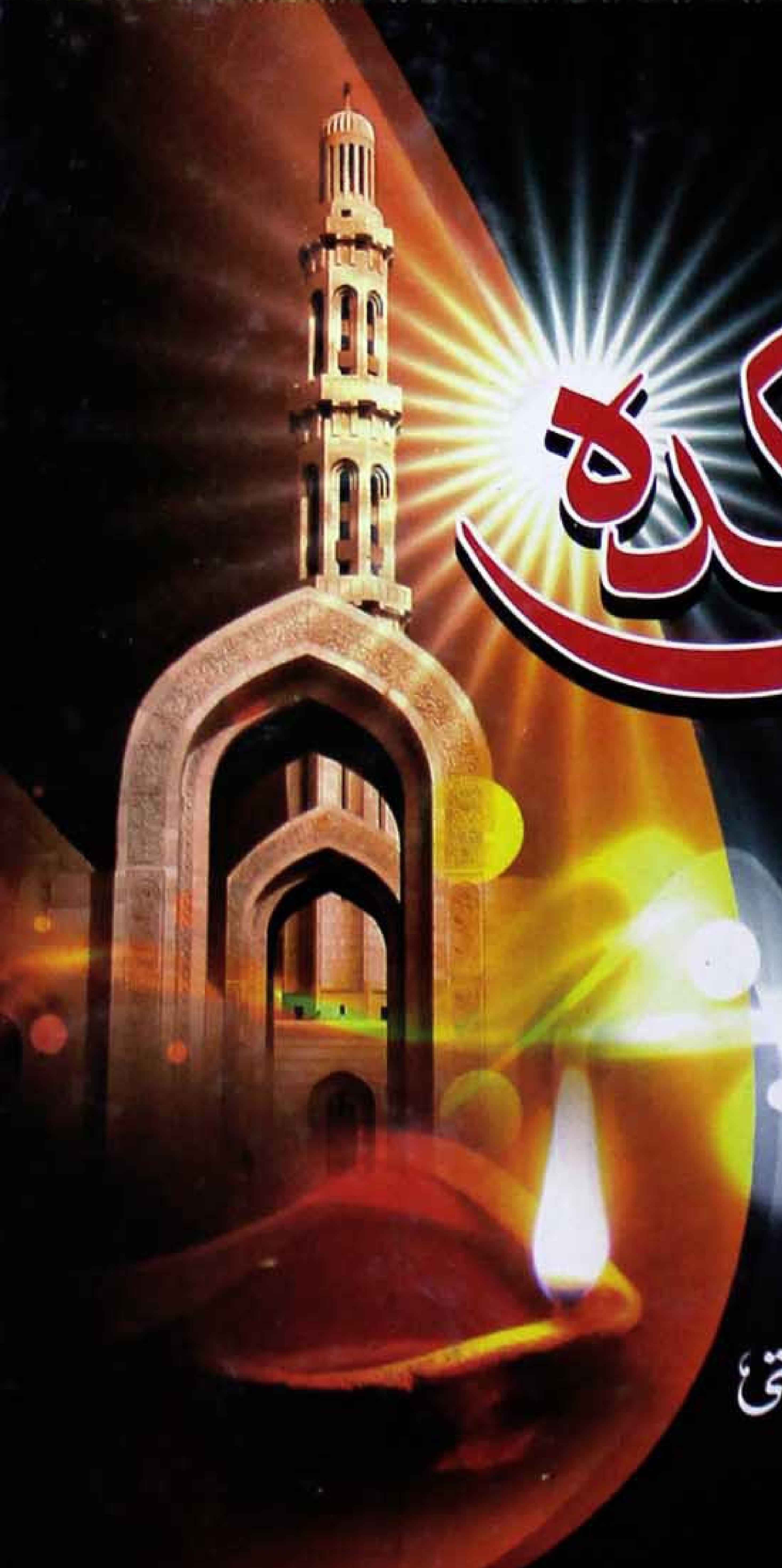

مصنف:

پروفیسر حبیب اللہ چشتی

Marfat.com

دانش کدہ

مصنف:
پروفیسر حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاهور- کراچی ٥ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	دانش کدہ
مصنف	پروفیسر حبیب اللہ چشتی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت اوّل	جنوری 2014ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QH13
قیمت	-/300 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 32630411-32212011-021 فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

فہرست

سوئے منزل	7
حکمت و دانش اور اسلام	9
انسانی کاوش اور اس کا دائرہ کار	17
ملکیت نہیں امانت	25
دوستی اور اس کے آداب	37
عبرت اور نصیحت	47
ذاتی اخلاص یا قابلیت	57
عبادت، عبادت ہے سوداگری نہیں	63
دین رہبر ہے، حصول مقصد کی سیڑھی نہیں	77
عقل کی زکوٰۃ	89
محنت، لیکن بامقصد یا بے مقصد	99
ملامت، راہِ حق سے روک نہ دے	109
انسان، بحیثیت انسان قابل احترام ہے	121
حقیقت دین اور فکری اصلاح	133
مشکل اور آسانی	145
زبان خلق، نقارۂ خدا	157
انسان اور اس کے خول	167
دلیل اور اس کی طاقت	177
نعمت و معصیت	187

Marfat.com

خدا پرستی یا نفس پرستی؟	201
عزت و آبرو، چند حقائق	213
خودداری، دولت بے بہا	223
علم، مقاصد و محرکات	235
حیلے اور بہانے	255
(1) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھروسہ اور گناہ	259
(i) اسوۂ حسنہ سے انحراف	261
(ii) صفات باری تعالیٰ کے تناظر میں	263
(iii) عبادت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ہے	266
(iv) چند عقلی شواہد	269
(2) علماء کا اختلاف اور بے عملی	271
(3) شریعت و حقیقت	272
(4) شرف نسبت کا بہانہ	275
(5) توبہ و شفاعت کا خود ساختہ مفہوم	278
(6) چند دیگر حیلے	281
بیوفائی یا مجبوری؟	285

انتساب

ضیاء الامت مفسر قرآن

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی حکیمانہ تربیت کا فیض قیامت تک

ذروں کو مہر و ماہ کی تابانیاں دیتا رہے گا۔

ان شاء اللہ العزیز

محمد حبیب اللہ چشتی

6 مارچ 2013ء

سوئے منزل

اگر انسان کے جسم کو رعایا اور اس کی سوچ اور افکار کو بادشاہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔انسان کا بدن غلام اور اس کی سوچ اس کی آقا ہے۔اس کی سوچ اور افکار ونظریات اسے جو حکم دیتے ہیں انسان اسی کی تعمیل میں سرگرم ہو جاتا ہے۔

حکمت کی ایک بات کبھی انسان کی پوری زندگی کو بدل کے رکھ دیتی ہے وہ اس کی سوچوں کے دھارے تبدیل کر دیتی ہے"دانش کدہ" تعلیمات اسلامیہ اور حکماء وفلاسفہ کے افکار سے استفادہ کرتے ہوئے حکمت ودانش کی چند باتیں واضح کرنے کی ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔

مردوں کو زندگی عطا فرمانے والے رب قدیر کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دعا ہے کہ وہ ان بے جان لفظوں میں جان ڈال دے۔اور اسے ہم سب کیلئے خیر کو سمیٹنے کا ذریعہ بنائے۔اللہ تعالیٰ اس ادنی سی کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔

شاہاں چہ عجب بنوا زند گدارا

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا
وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ
وَذُرِّیَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْنَ!

محمد حبیب اللہ چشتی

الیف۔جی پوسٹ گریجوایٹ کالج H-8
اسلام آباد

خطیب جامع مسجد چونگی نمبر 22
راولپنڈی

6فروری،2013

Marfat.com

حکمت ودانش اور اسلام

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

(البقرہ2:229)

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ اور جسے حکمت دے دی گئی اسے خیر کثیر دے دی گئی۔ اور صرف اہل عقل ہی نصیحت قبول کرتے ہیں''۔

Marfat.com

گفت حکمت را خدا خیر کثیر ہر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحب ام الکتاب پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید رب زدنی از زبان او چکید
علم و دولت نظم کار ملت است علم و دولت اعتبار ملت است

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

حکمت کا ایک کلمہ انسانی زندگی کے رخ بدل دیتا ہے۔ دانش کی ایک بات انسانی فکر کے دھارے تبدیل کر دیتی ہے اور بصیرت بھرا ایک جملہ انسانی سوچوں میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ دقیق مباحث اور دلائل کے انبار قلب ونظر میں اضطراب تو پیدا کرتے ہیں اور بھاری بھرکم دلیلیں خرد کی تشنگی کو مزید بڑھا تو ضرور دیتی ہیں لیکن انسانی قلب کی کیفیات کو بدلنے سے قاصر رہتی ہیں۔

انسانی قلب میں اثر پذیری، یہ صرف حکمت بھری بات کا عمل ہوتا ہے محض دوسرے کو لاجواب کرنے والے دلائل کے انبار کا نہیں۔

قرآنی اصطلاح میں حکمت سے مراد نبوت ہو، علوم قرآنی ہو، فہم دین ہو، علم وفقہ ہو یا تقویٰ وخشیت الٰہی ہو۔ وہ الگ مباحث ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت وفضیلت کے حامل ہیں لیکن عرف واصطلاح میں حکمت سے مراد ایسی دانش بھری اور دل میں اتر جانے والی بات ہوتی ہے جو انسانی قلب ونظر میں ایک دوررس تبدیلی کا باعث بننے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہو۔ جس کی دلیل کو ٹھکرانا عقل انسانی کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ لفظ دانائی اور عقل مندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تو عرف میں حکمت سے مراد ہوگی دانائی اور عقل مندی کی بات۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جو بات اس کے دل میں بیٹھ جائے یہ کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ تو جس بندے کو ایسا حکمت بھرا انداز بیاں نصیب ہو گیا کہ دوسرے اس کے قائل ہوتے جائیں اور اس کی بات دوسروں کے دلوں پر راج کرتی جائے تو وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار بھلائیاں عطا فرما دی ہیں۔ حکمت ودانش کی یہ دولت اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا ہے اور جسے یہ مل جائے وہی مقدر کا سکندر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا

Marfat.com

كَثِيْرًا ط (1)

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے۔اور جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دے دی گئی''۔

یعنی خیر کثیر اس مال و دولت، جاہ و منصب اور شہرت و ناموری کا نام نہیں ہے جو معاشرہ میں انارکی اور نفرتیں پھیلانے کا سبب ہو۔ بلکہ جسے فکر و خیال کی وہ پاکیزگی عطا کی گئی کہ وہ خود خیر کا پیکر بن گیا اور دوسرے اس کی دعوت خیر کو ٹھکرا نہ سکیں۔ وہ خود بھی صاحب حکمت ہو اور دوسرے بھی اس کی حکمت کو قبول کرتے جائیں تو ایسا ہی شخص بارگاہ الٰہی سے خیر کثیر کی دولت گرانمایہ پانے والا ہوتا ہے۔

کائنات میں پائی جانے والی ہر حکمت اور دانش کی بات کسی نہ کسی نبی کا فیضان ہوتی ہے اس لئے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ تمہیں جہاں سے بھی کوئی حکمت اور دانش کی بات ملتی ہے تو اسے فوراً لے لو یہ نہ دیکھو کہ وہ کہنے والا کون ہے۔ کیونکہ تم وراثت انبیاء کے امین ہو اور ہر کلمہ حکمت کا حریص بناتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (2)

''حکمت بھری بات مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ وہ اسے جہاں بھی پائے۔ وہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے''۔

یعنی حکمت تو ہے ہی ایمان کا ثمرہ اور بندہ مومن کا مطلوب۔ جہاں سے بھی کوئی حکمت والا کلمہ ملے۔ مومن یہ ہی سمجھے کہ یہ کسی صاحب ایمان کا ہی فیضان ہے اور اسے فوری طور پر حاصل کر لے۔ یہ بھی نہ دیکھے کہ اب یہ کلمہ کس کی زبان سے ادا ہو رہا ہے وہ کلمہ حکمت کی طرف دیکھے اور اپنی گمشدہ میراث سمجھ کے اس کی طرف لپکے۔ اگر کوئی بات کسی مغربی مفکر یا کسی ملحد سے بھی ادا ہو رہی ہے تو دراصل اس نے کسی نبی یا صاحب ایمان کی بات کو اپنے

1۔ البقرہ 269:2

2۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 51، باب فضل الفقہ علی العبادت، رقم الحدیث 2687، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

لفظوں میں بیان کیا ہے۔ یا فیضان پیغمبر سے اس پر اس کا دروازہ کھلا ہے اس لئے بندہ مومن کو اپنے پرائے کی تمیز ختم کر کے کلمۂ حق کو حاصل کرنا چاہیے۔

جس مجلس میں حکمت کی بات کی جائے اسے بہترین مجلس قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

نِعْمَ الْمَجْلِسُ الَّذِیْ تَنْتَشِرُ فِیْهِ الْحِكْمَةُ۔ (1)

''بہترین مجلس وہ ہے جس میں حکمت کی بات کی جائے''۔

یعنی حکمت کی بات ایسی باعث شرف بات ہے کہ جس مجلس میں کلمۂ حکمت کا تذکرہ کیا جائے وہ مجلس بھی بہترین مجالس میں شمار ہوتی ہے۔ صاحب حکمت ایسا شخص ہے کہ جس پر حسد کرنا جائز ہے یعنی حکمت کی دولت ایک ایسی دولت ہے اگر حسد جائز ہے تو ایسے شخص پر جائز ہے جسے حکمت کی دولت دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ یَعْمَلُ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا۔ (2)

''حسد صرف دو آدمیوں پر کیا جا سکتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال و دولت دیا اور وہ اسے راہ حق میں قربان کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے''۔

پیغمبر حکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمت کی بات کو بہترین تحفہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَا اَهْدَی الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ لِاَخِیْهِ هَدِیَّةً اَفْضَلَ مِنْ كَلِمَةِ حِكْمَةٍ (3)

''کسی مسلمان نے اپنے بھائی کو حکمت کی بات سے بڑھ کے بہترین تحفہ نہیں دیا''۔

1۔ المعجم الکبیر، ج 9، ص 188، رقم الحدیث 8925، سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم

2۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 1407، باب الحسد، رقم الحدیث 4208

3۔ شعب الایمان، للبیہقی، ج 3، ص 264، رقم الحدیث 1629، مکتبۃ الرشید

چونکہ مادی تحفہ مادی فوائد کا حامل ہو گا اور اس کا فائدہ مادی جہان تک محدود ہو گا لیکن کلمہ حکمت کا تحفہ انسان کی عاقبت سنوارنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور عاقبت ہمیشہ رہنے والی ہے اس لئے بہترین تحفہ کسی کو حکمت بھری بات کی تعلیم دینا ہے جو اس کے لئے ہر خیر کا دروازہ کھول دے گی۔

حضور اکرم ﷺ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت گزاری سے بہت زیادہ خوش ہوئے تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ابن عباس کو حکمت کی دولت عطا فرما۔

آپ خود فرماتے ہیں۔

ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ۔ (1)

''مجھے رسول کریم ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کے ساتھ لگایا اور دعا فرمائی اے اللہ! ابن عباس کو حکمت کی دولت عطا فرما''۔

آپ اس سعادت کا تذکرہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

رَاَيْتُ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّتَيْنِ وَدَعَالِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّزِيْدَنِيَ اللهُ تَعَالَى الْحِكْمَةَ مَرَّتَيْنِ۔ (2)

''میں نے جبریل امین کو دو مرتبہ دیکھا۔ اور رسول کریم ﷺ نے میرے لیے دو مرتبہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مزید حکمت عطا فرمائے''۔

اس دعا سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کلمہ حکمت کی کیا قدر و منزلت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے صاحب حکمت سے وابستہ ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُعْطِيَ زَهَادَةً فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهُ يُلَقِّى الْحِكْمَةَ۔ (3)

1۔ صحیح ابن حبان، ج 15، ص 530، باب ذکر دعاء المصطفیٰ لابن عباس بالحکمۃ، رقم الحدیث 7054، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

2۔ الاحاد والمثانی، ج 1، ص 307، امام احمد بن عمرو الشیبانی، رقم الحدیث 378، دار الرایۃ، الریاض

3۔ نفس مصدر، ج 4، ص 283، رقم الحدیث 2448

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی کی دولت دی گئی ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ وہ حکمت بانٹ رہا ہوتا ہے"۔

یعنی حکمت فکر آخرت پیدا کرتی ہے اور انسان سے عبث گفتگو چھین کے اسے کم گو بنا دیتی ہے۔

لذت و لطف مئے ناب میں کس سے پوچھوں
کوئی باہوش نکلتا ہی نہیں مئے خانے سے

حکمت کا کلمہ دل کی بنجر کھیتی کو ہرا بھرا کر دیتا ہے وہ مردہ دلوں کو نئی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا بُنَيَّ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ الْعُلَمَاءِ وَاسْتَمِعْ كَلَامَ الْحُكَمَاءِ فَإِنَّ اللهَ يُحْيِي الْقَلْبَ الْمَيِّتَ بِنُوْرِ الْحِكْمَةِ كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ۔ (1)

"اے میرے بیٹے! علماء کی مجلس کو لازم پکڑ۔ اور حکماء کا کلام سن۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو اسی طرح زندگی عطا کرتا ہے جیسے وہ بارش کے قطروں سے مردہ زمین کو نئی زندگی دے دیتا ہے"۔

سطور بالا سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق حکمت کا کلمہ مومن کی گمشدہ دولت ہے۔ اسے اپنی متاع گم گشتہ کو پانے کا حریص ہونا چاہیے۔ حکمت کی بات ہی وہ بہترین تحفہ ہے جو ایک مومن دوسرے مومن کو دے سکتا ہے اور حکمت کا نور ہی مردہ دلوں کی زندگی اور دلوں کی اجڑی ہوئی کھیتیوں کی سیرابی ہے حکمت کے حصول میں بندہ مومن کو نہ اپنے پرائے کا امتیاز کرنا چاہیے اور نہ دوست دشمن کی تمیز کرنی چاہیے۔ اگر ہم حکمت و دانش کو کسی مخصوص گروہ میں ہی محدود سمجھ لیں گے تو ہم نے ایک آفاقی دائرہ کو بہت ہی چھوٹا کرنے کا جرم کیا ہے۔ حکمت کی بات کہیں بھی پائی جا سکتی ہے۔ جب تک انسان اپنے

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 8، ص 199، رقم الحدیث 7810، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

پرائے اور دوست دشمن کی تمیز مٹا کے حکمت پانے کیلئے ہر در پہ نہیں جائے گا وہ حکمت کے موتیوں سے محروم رہے گا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی عظمت کا راز یہی تھا کہ انہوں نے حکمت کو ہر اس جگہ سے حاصل کیا جہاں سے انہیں ملی۔ مولانا حالی اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکم پیغمبر
کہ حکمت کو اک گمشدہ مال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو
ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل ویکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ
ہراک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہراک قوم نے ان سے سیکھی تجارت (1)

1۔ مسدس حالی، ج 38-39، خزینہ علم وادب، لاہور

Marfat.com

انسانی کاوش اور اس کا دائرۂ کار

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ (البقرۃ 282:2)

”اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا“۔

Marfat.com

یہ تدبر یہ فکر اہل وعیال
تم تو پروردگار بن بیٹھے

(اکبر الٰہ آبادی)

Marfat.com

زندگی میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان بڑے خلوص، پوری لگن اور انتہائی سچے جذبوں سے ایک کام شروع کرتا ہے۔ وہ اس میں پوری جدوجہد اور جانفشانی سے کام لیتا ہے۔ اپنا وقت، محنت اور سرمایہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے کھپا دیتا ہے۔ لیکن نتیجہ اس کے حق میں اچھا نہیں نکلتا، کامیابی اس کے قدم نہیں چومتی۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری ساری محنت برباد ہو گئی، ساری جدوجہد رائیگاں چلی گئی اور میری ساری محنتیں اور جملہ کاوشیں ناکام و نامراد ہو گئیں۔ وہ سوچتا ہے کہ جب میں مخلص تھا، میری نیت صاف تھی میرا یہ عمل اخلاص پر مبنی تھا تو میری محنتیں برباد کیوں ہو گئیں؟ میری کاوشیں رائیگاں کیوں چلی گئیں؟ مجھے ناکامی اور نامرادی کا منہ کیوں دیکھنا پڑا؟ اور یہی چیز اس کا سکون برباد کر دیتی ہے اور اس سے اطمینان قلب کی دولت چھین لیتی ہے اور اگر ادراک حقیقت سے محرومی مزید بڑھ جائے تو وہ یہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد کیوں نہیں کی جبکہ میں حق پہ تھا اور وہ باری تعالیٰ کے متعلق مختلف بدگمانیوں کا شکار ہو کے ایمان و اسلام کے منافی کئی سوچیں اپنا لیتا ہے۔

یہ سوچ دراصل ایک بنیادی غلطی کا شاخسانہ ہے اور اپنی کاوش کے دائروں کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ آیئے اس حقیقت کو اس حکایت کے روپ میں سمجھتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بادشاہ کا ہیرا گم ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ جاؤ اور ہیرا تلاش کر کے لاؤ۔ لوگ ہیرا تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیرا اور بادشاہ کا! سب نے ہی اسے تلاش کرنے کے لیے محنت و مشقت کی انتہا کر دی، آخر کار ایک شخص کو ہیرا مل گیا۔ وہ چمکتا، دمکتا ہوا ہیرا اپنی ہتھیلی پہ سجائے، شاداں و فرحاں بادشاہ کے دربار میں آ گیا باقی لوگ پریشان، غمزدہ اور اترے ہوئے چہروں کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں آئے۔ زیرک بادشاہ نے ان کے اترے ہوئے چہرے اور ان سے ٹپکتی ہوئی پریشانی کو دیکھا تو ان سے پوچھنے لگا تم کیوں پریشان ہو؟ کہنے لگے ہمیں ہیرا نہیں ملا جبکہ کوشش کرنے

Marfat.com

میں ہم نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن ہیرا ہم نہ ڈھونڈ سکے بلکہ اس شخص کو مل گیا۔

بادشاہ مسکرایا اور کہنے لگا کہ ایک ہی ہیرا تھا ظاہر ہے کہ وہ کسی ایک ہی کو ملنا تھا۔ بادشاہ حقیقت کو آخری حد تک واضح کرنا چاہتا تھا اس نے اس چمکتے دمکتے ہیرے کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور کہنے لگا اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر یہ ہیرا ہمارے خزانے میں نہ ہوتو کیا ہم فاقوں مر جائیں گے؟ ہمارے خزانے میں اس سے کہیں بہتر اور قیمتی ہیرے موجود ہیں تمہیں ہیرا تلاش کرنے کیلئے بھیجنا اس لیے نہیں تھا کہ اس ہیرے کے بغیر ہم بھوکے مر جائیں گے۔ پھر بادشاہ نے ایک جملہ کہا اور حقیقت کو آخری حد تک واضح کر دیا کہنے لگا۔

''ہم یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ ہیرا تلاش کر کے کون لاتا ہے ہم تو صرف یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ہیرے کی تلاش میں جاتا کون کون ہے''۔

بس انسانی کاوش کا دائرہ اور اس کی کوشش کی حد یہی ہے کہ انسان نے طلب صادق اور خلوصِ نیت سے صرف اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی ہے اور پھر اس کے نتائج کو اللہ تعالیٰ کی ذات پہ چھوڑ دینا ہے۔

کتاب حکمت قرآن حکیم میں اسی نکتہ کو متعدد اسالیب سے واضح کیا گیا۔ ایک مقام پر ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی طرف اپنے دو رسول مبعوث فرمائے بستی والوں نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان دو کی مدد کے لیے اپنا تیسرا رسول بھیج دیا۔ بستی والوں نے جب اس کے باوجود بھی نہ مانا اور کہا کہ تم ہماری مثل انسان ہو، اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم جھوٹ بولتے ہو۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پھر انہوں نے فرمایا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ (1)

''اور ہمارا کام تو صرف واضح پہنچا دینا ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تم نے لازمی طور پر لوگوں کے

1۔ یاسین 17:36

Marfat.com

دلوں کو بدلنا ہے تم پر ضروری ہے کہ تم انہیں مسلمان کرو ورنہ تم ناکام و نامراد ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ فریضہ سونپا گیا ہے کہ ہم بلا کسی خوف اور بغیر کسی ڈر کے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیں۔ جب ہم نے تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو تم مانو یا نہ مانو ہم ہر حال میں کامیاب ہیں۔ ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے، دلوں کو پھیرنا نہیں۔ انسان صرف کوشش کرنے کا ذمہ دار ہے مثبت نتائج دکھانا اس کے فرائض میں شامل نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (2)

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ آپ کا انہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔

اس آیہ کریمہ میں "سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ" کے الفاظ اس حقیقت کو کتنے واضح اور واشگاف الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں کہ ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لیے برابر ہے آپ کے لئے نہیں۔ جب آپ نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دیا۔ انہیں آخرت کے خوف سے آگاہ کر دیا تو وہ مان جائیں تب بھی آپ کو اجر ملے گا اور اگر نہ مانیں تب بھی آپ کو اجر ملے گا۔ اسی حقیقت کو ایک اور مقام پر بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

"جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ ضرور ہی عنایت فرماتا ہے اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے"۔ (2)

یعنی اس کی ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ وہ لازمی طور پر مدینہ منورہ میں بارگاہ رسالت

1۔ البقرہ 6:2 2۔ النساء 100:4

Marfat.com

مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو بلکہ اس کا کام تو صرف اتنا تھا کہ وہ ہجرت کیلئے نکل کھڑا ہو۔ وہ مدینہ منورہ پہنچ جائے تب بھی اسے ہجرت کا اجر ملے گا اور اگر نہ پہنچ سکے راستے میں ہی اس کی موت کا وقت آجائے تب بھی اسے ہجرت کا اجر ملے گا کیونکہ انسانی کاوش کی حد صرف کوشش کرنا ہے مثبت نتائج دکھانا نہیں۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَامِكُمْ وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ۔(1)

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے''۔

یعنی انسان کا اختیار صرف حسن نیت اور اس کے لوازمات تک محدود ہے اس کی عملی صورت کیا بنتی ہے؟ اس میں کتنی کامیابی ملتی ہے؟ انسان کو اس سے بے نیاز ہو کر اپنے دائرہ کار میں کام کرنا چاہیے۔

جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کو لے کر سوئے کربلا رواں دواں تھے تو مقام صفاح پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق آپ کو ملا۔ جو عراق سے آرہا تھا۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ آپ کی تمنا پوری فرمائے۔ امام عالی مقام نے اس سے فرمایا تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔

قُلُوْبُ النَّاسِ مَعَكَ وَسُيُوْفِهِمْ مَعَ بَنِىْ اُمَيَّةَ وَالْقَضَاءُ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ۔

''لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں تاہم قضائے الٰہی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔

آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔

1۔ الترغیب الترہیب، ص 11، الامام عبدالعظیم المنذری، دار ابن حزم، بیروت

Marfat.com

اِنْ نَزَلَ الْقَضَاءُ بِمَا نُحِبُ فَنَحْمِدُ اللهَ عَلیٰ نَعْمَائِهٖ فَهُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلیٰ اَدَاءِ الشُّكْرِ وَاِنْ حَالَ الْقَضَاءُ دُوْنَ الرَّجَاءِ فَلَمْ يَعْتَدَّ مَنْ كَانَ الْحَقَّ نِيَّتُهٗ وَالتَّقْوٰى سَرِيْرَتُهٗ۔ (1)

''اگر ہماری تقدیر ہماری پسند کے مطابق ہوئی۔ تو ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکرادا کریں گے اور شکرادا کرنے میں بھی اسی سے مدد مانگی جاتی ہے اگر تقدیر امید میں حائل ہوگئی تو جس بندے کی نیت حق ہو اور جس کا باطن تقویٰ ہو اسے نتائج سے بے نیاز ہونا چاہیے''۔

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے، ہارے بھی تو بازی مات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

امام عالی مقام کا یہ فرمان انسانی کوشش کا دائرہ متعین کر رہا ہے کہ انسان کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ حالات کا رخ لازمی طور پر اسی طرح موڑ دے جیسے وہ چاہتا ہے بلکہ انسان صرف اس چیز کا ذمہ دار ہے کہ وہ اخلاص اور پوری جدوجہد سے جو کچھ وہ کر سکتا ہے وہ کر ڈالے۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا ایک انتہائی کامیاب انسان بنے۔ وہ اسی جیسا کامیاب تاجر، ماہر تعلیم، ڈاکٹر، انجینئر یا کسی اور باعزت منصب کا حامل انسان بنے لیکن جب اس کی امیدیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب اپنے فرائض کی حدود سے تجاوز کرنا ہے وہ صرف محنت کا جواب دہ ہے نتائج کا نہیں۔ اگر اس نے حتی الوسع اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تو اسے یقین کر لینا چاہیے کہ میں نے اپنا فریضہ بڑے اچھے طریقہ سے ادا کر دیا اور میں یہی کر سکتا تھا اس سے

1۔ الکامل فی التاریخ، ج 4، ص 40، علامہ ابن اثیر، دار صادر، بیروت

Marfat.com

بڑھ کر میرے اختیار میں کچھ نہیں۔تب ایک طبعی سے پریشانی تو اسے بہر حال ہو سکتی ہے لیکن وہ اسے زندگی کا دکھ اور جان کا کرب نہیں بنائے گا۔

اپنی حد سے بڑھ کر اختیارات کی تمنا کرنا خدائی معاملات میں مداخلت ہے جس کا نتیجہ سوائے پریشانی اور ذہنی کرب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔زندگی کے ہر موڑ اور ہر میدان میں اپنے اختیارات کا تعین انسان کو امن وسکون کی دولت دیتا ہے اور اسے اطمینان قلبی عطا کرتا ہے کائنات بہر حال ایسے نہیں چلے گی جیسے ہم چاہتے ہیں یہ ویسے ہی چلے گی جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور ہمیں خدا کے بھید سمجھ بھی نہیں آسکتے۔

کشتی مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰؑ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروز

(اقبال)

اخلاص اور پوری کوشش سے کوئی کام کرنا اور اس میں اپنی پوری کاوش لگانا بس یہی انسان کی حد ہے۔نتائج کا یہ ذمہ دار نہیں ہے۔جس اللہ کے بندے نے بندوں کو اللہ کی طرف بھلانے کیلئے ہوکا لگا دیا کوئی آئے اسے پھر بھی اجر ملے گا نہ آئے اسے پھر بھی اجر ملے گا۔کیونکہ اخلاص اور جدو جہد کا سفر ایک ایسا سفر ہے جو سفر بھی ہے اور منزل بھی۔اور جب بھی انسان اپنی حد سے بڑھے گا تو اسے فائدہ تو کوئی نہیں ہو گا وہ کر سکے گا وہی جو اس کی حد میں ہے اسے پریشانی اور کرب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔انسان پہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سوچ لے کہ میں محنت کا ذمہ دار ہوں نتائج کا نہیں۔اگر بالفرض مجھے کامیابی نہیں بھی ملی تو میرے اجر کا ایک ایک ذرہ میرے کریم رب کے پاس محفوظ ہے۔

Marfat.com

ملکیت نہیں امانت

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرہ 284:2)

''اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے''۔

Marfat.com

اس سے بڑھ کے اور کیا ہو فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ سرزمین
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

شاخ گل پہ آشیانہ کب تیری جاگیر تھی
بس غنیمت جان جتنا کہ گزارہ ہو گیا

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سب کو مشکل وقت سے بچائے۔

زندگی میں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ پہلے انسان کے پاس ایک چیز ہوتی ہے اور پھر گردش روزگار کے سبب اس کے پاس وہ چیز نہیں رہتی پہلے اسے ایک سہولت میسر ہوتی ہے پھر وہ اس سہولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ایسی صورت حال میں انسان ایک انتہائی دکھ اور کرب کی کیفیت میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ یہ چیز میری تھی مجھے اس سے کیوں محروم کر دیا گیا؟ میں اس کا مالک تھا یہ مجھ سے کیوں چھین لی گئی؟ بس یہی سوچ اس کی زندگی کی بقیہ خوشیاں چھین لیتی ہے اور اسے دکھ اور کرب کے اندھیروں میں بھٹکتا چھوڑ دیتی ہے۔

انسان اس کیفیت کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک بنیادی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے اور وہ حقیقت ملکیت کا غلط تصور ہے وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں۔ ہر چیز کا مالک تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے یہ سب کچھ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔جب تک مالک چاہے اپنی چیز کسی کے پاس بطور امانت رکھ دے اور جب چاہے اس سے واپس لے لے

کتابِ حکمت قرآن مجید میں بارہا انسان کی توجہ اس نکتہ کی طرف مبذول کروائی گئی۔ایک مقام پر ارشاد ہوا:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (1)

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہی ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (2)

"خبردار! بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔

اور مقام پر ارشاد ہوا:

1۔البقرہ 284:2 2۔یونس 66:10

Marfat.com

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

''اور سارے آسمان اور زمین اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اللہ ہر شئ پر قادر ہے''۔(1)

جب انسان اپنی اس بنیادی سوچ کو درست کر لے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں بلکہ سب کچھ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ملکیت کی نفی اور امانت کا عقیدہ ایک تو انسان میں عاجزی اور انکساری پیدا کرتا ہے کیونکہ تکبر کی تمام تر نفسیات کا منبع تصور ملکیت یا ''میں'' ہے۔جیسا کہ غالب نے کہا تھا۔

ہر چند سبک رفتہ ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

(غالب)

امانت کا تصور اس ''ہم'' کو ختم کر دیتا ہے کہ مالک میں نہیں ہوں مالک اللہ ہے جب تک وہ چاہے گا یہ چیز میرے پاس رہے گی اور جب وہ چاہے گا مجھ سے واپس لے لے گا۔ یہ عقیدہ انسان میں عاجزی اور انکساری پیدا کرتا ہے۔

یہی نظریہ انسان کو امن وسکون کی دولت گرانمایہ دیتا ہے۔جب انسان سے کوئی چیز چھن جائے تو ان دل توڑ دینے والے لمحات میں یہی نظریہ اسے سہارا دیتا ہے اور انسان ایک ایسی مضبوط رسی کو تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہوتی۔ایسے موقع پر فطرتی لگاؤ کا اظہار ممنوع نہیں ہے بلکہ اس موقع کو جان کا دکھ اور روح کا کرب بنا لینا منع ہے کیونکہ اسلام انسانی فطرت کو نہیں کچلتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کو ناپسند کرتا ہے اور کسی چیز کے چھن جانے پر ناشکری شان عبدیت کے منافی ہے اس کی ایک بہترین مثال ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ملتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔تو اس غم واندوہ کے موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے صحابہ کرام کے تعجب

1۔آل عمران 3:189

پر آپ نے فرمایا یہ اظہار شفقت ہے اور فرمایا۔

وَاللّٰهِ یَا اِبْرَاهِیْمُ اِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْکِی الْعَیْنُ وَیَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا یُسْخِطُ الرَّبَّ (1)

''خدا کی قسم! اے ابراہیم ہم تمہاری موت سے غمگین ہیں۔ آنکھ رو رہی ہے دل غمگین ہے مگر ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو''۔

یعنی بیٹے سے اظہار محبت منع نہیں بلکہ اس حادثہ کو ناشکری کا ذریعہ بنانا اور اپنے اوپر طاری کر لینا شان عبدیت کے منافی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس عمل سے کتنا خوبصورت نمونہ قائم فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ آپ کی بے پناہ وابستگی اور شان تبتل سے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ نہ غمگین ہوتے اور نہ ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے لیکن آپ نے اپنی شان رفیع کے اس پہلو سے تنزل فرما کے آنے والوں کیلئے ایک آسانی بھی پیدا فرما دی اور ایک دلکش نمونہ بھی قائم کر دیا کہ نعمت چھن جائے تو اظہار محبت ممنوع نہیں بلکہ ناشکری منع ہے کیونکہ ناشکری کس چیز کی؟ جبکہ وہ چیز تمہاری تھی ہی نہیں اللہ کی تھی اس نے جب تک چاہا ہمارے پاس رہی جب چاہا واپس لے لی۔

تصور امانت انسان کو ان دل توڑ دینے والے سخت ترین لمحات میں کس طرح ہمت اور حوصلہ دیتا ہے اس کا اندازہ عہد نبوت میں پیش آنے والے اس واقعہ سے لگایئے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے جن کا اسم گرامی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کا بیٹا بیمار تھا۔ ایک دن وہ کام کو گئے بعد میں بیٹا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ان کی اہلیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ اب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کا وقت ہے وہ دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد واپس لوٹیں گے۔ اگر آتے ہی انہیں یہ المناک خبر دے دی جائے تو ان کے رنج والم کی کوئی انتہا نہیں رہے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ انہیں بیٹے کی وفات کی خبر صبح کو دی جائے۔ چنانچہ انہیں نے اپنے لخت جگر کو چارپائی پر لٹایا اور اوپر چادر ڈال دی۔

1۔ صحیح البخاری، ج 2، ص 83، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا بک لمحزونون، رقم الحدیث 1303، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

تھوڑی دیر بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے اور انہوں نے آتے ہی سوال کیا:

کیف الغلام؟ بیٹے کا کیا حال ہے؟

تو اس مجسمہ تسلیم و رضا اور وفا شعار بیوی نے جواب دیا:

هَدَأَتْ نَفْسُهُ وَأَرْجُوْ أَنْ يَكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ

''اب وہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کی تکلیف ختم ہوگئی ہے''

اس ذو معنی کلام سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ بچے کو واقعی آرام آگیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ رات حسب معمول گزاری صبح ہوئی تو انہوں نے غسل کیا۔ جب گھر سے باہر جانے لگے تو ان کی بیوی نے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی جو امانت بیٹے کی شکل میں ہمارے پاس تھی وہ اللہ تعالیٰ نے واپس لے لی ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ادا کی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورت حال عرض کی یعنی ان کی اہلیہ نے کس طرح صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی آج کی رات میں ہی برکت عطا فرمائے۔ انصار کے ایک صاحب سفیان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے نو بیٹے دیکھے ہیں۔ سب قاری قرآن تھے۔ (1)

اس واقعہ سے دو چیزیں بالکل نمایاں ہیں ایک تو تصور امانت نے انہیں کس طرح صبر جمیل کی دولت عطا فرمائی ایسا حادثہ فاجعہ تو انسان کو اندر سے توڑ دیتا ہے لیکن یہ تصور کہ سب کچھ خدا کی امانت ہے وہ جب تک چاہے یہ چیزیں میرے پاس رہیں گی اور جب چاہے گا واپس لے لے گا، انسان کو ان دل توڑ دینے والے مواقع پر بھی صبر اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔

اور دوسری چیز یہ کہ ایسا موقع پر صبر و استقامت کا اللہ تعالیٰ اجر عظیم کیا دیتا ہے۔ آخرت کا اجر تو پردہ غیب میں ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہا کے اس بے مثال صبر و استقامت پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نو بیٹے عطا فرمائے۔ تصور امانت انسان کو دنیا میں بھی برکتیں دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، صحیح البخاری ج 2، ص 82، امام محمد بن اسماعیل بخاری، باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ، رقم الحدیث 1301

Marfat.com

یہ تو عہد نبوت کی ایک درخشندہ مثال تھی۔اب ماضی قریب کی ایک مثال بھی ملاحظہ ہو کہ تصور امانت نے کس طرح قلب ونظر میں انقلاب برپا کر دیا۔اور نہ جانے عرفان ویقین کی کتنی منزلیں پلک جھپکنے میں طے ہو گئیں یہ پورا واقعہ انتہائی دل افروز اور روح پرور ہے اس لیے میں یہ پورا واقعہ حرف بحرف درج کرتا ہوں۔

پروفیسر عبدالغنی فاروق لکھتے ہیں:

حکیم الامت علامہ اقبال نے بیان فرمایا

''مسٹر داؤد آپسن کی طرح لیڈی بارنس کا قبول اسلام بھی اپنے اندر عجب کے کئی پہلو رکھتا ہے۔آپ ایک نومسلم فوجی انگریز کی بیوی تھیں چند سال کا ذکر ہے یہ دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں ملوث ہو کر میرے پاس آئے۔چونکہ الزامات سراسر جھوٹے تھے۔اس لئے عدالت نے انہیں باعزت بری کر دیا۔چونکہ وکالت کے فرائض میں نے انجام دیئے تھے اس لئے لیڈی بارنس میرا شکریہ ادا کرنے کیلئے لاہور تشریف لائیں اس وقت میں نے سوال کیا لیڈی صاحبہ! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں۔

''مسلمانوں کے ایمان کی پختگی، ڈاکٹر صاحب''۔

لیڈی موصوف نے جواب دیا اور وضاحت میں ایک واقعہ سنایا:

''ڈاکٹر صاحب! میں نے دیکھا کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو۔بس اس چیز نے مجھے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا''لیڈی بارنس نے تھوڑا سا تامل فرمایا اور کہا۔''ڈاکٹر صاحب! میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ بڈھا مسلمان ملازم تھا۔اس بڈھے کا فرزند نہایت ہی خوبصورت نوجوان تھا۔ایک وبائی بیماری میں یہ لڑکا چل بسا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا میں بڈھے کے پاس تعزیت کیلئے گئی،اسے تسلی دی اور دلی رنج وغم کا اظہار کیا۔بڈھا نہایت غیر متأثر حالت میں میری باتیں سنتا رہا۔اور جب میں خاموش ہو گئی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا''میم صاحبہ! یہ خدا کی تقدیر ہے،خدا کی امانت تھی،خدا لے گیا اس میں غم زدہ

Marfat.com

ہونے کی کیا بات ہے ہمیں تو ہر حالت میں خدائے غفور کا شکر ادا کرنا واجب ہے"۔

ڈاکٹر صاحب! بڈھے کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا ہمیشہ کیلئے میرے دل میں پیوست ہو گیا میں بار بار اس کے الفاظ میں غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ الٰہی اس دنیا میں اس قسم کے صابر، شاکر اور مطمئن دل بھی موجود ہیں۔ جستجو ہوئی کہ بڈھے نے ایسا پر استقامت دل کیسے پایا؟ اس غرض سے میں نے پوچھا کیا مرحوم کے اہل و عیال بھی ہیں۔ وہ کہنے لگا "ایک بیوی ہے اور ایک چھوٹا بچہ" بڈھے کے اس جواب نے میری حیرت کو کم کر دیا۔ میں نے اس کے اطمینان قلب کی یہ تاویل کی چونکہ پوتا موجود ہے اس واسطے وہ اس کی زندگی اور محبت کا سہارا بنے گا۔

اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ یتیم بچے کی ماں بھی چل بسی۔ اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔ بڈھے کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا۔ تعزیت کیلئے میں اس کے گاؤں روانہ ہوئی۔ اس وقت جذبات و تخیلات کی ایک دنیا میرے ہمرکاب تھی۔ سوچتی تھی اس تازہ مصیبت نے بڈھے کی کمر توڑ دی ہوگی۔ وہ ہوش و حواس کھو چکا ہوگا یتیم بچے کی کم سنی اسے نڈھال کر رہی ہوگی۔ میں انہیں خیالات میں غلطاں بڈھے کے گھر پہنچی تو وہ سر جھکائے لوگوں کے ہجوم میں بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی تازہ مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ بڈھا میری ہمدردانہ باتیں بڑے سکون سے سنتا رہا۔ لیکن جب اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور کہا میم صاحبہ! خدا کی رضا میں کوئی بشر دم نہیں مار سکتا۔ اس کی شے تھی وہی لے گیا۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے"۔

ڈاکٹر صاحب! لیڈی بارنس نے حد درجہ حیرت کے انداز میں کہا "میں جب تک بڈھے کے پاس بیٹھی رہی نہ اس کے سینے سے آہ نکلی، نہ آنکھ سے آنسو گرا وہ اس طرح اطمینان کی باتیں کرتا تھا گویا اس نے اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کو زمین میں دفن نہیں کیا بلکہ کوئی فرض ادا کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں واپس لوٹ آئی مگر سارے راستے بڈھے کی

Marfat.com

پختگی ایمان پر غور کرتی رہی۔ یہ خیال مجھے تنگ کرتا ہے اور حیرت زدہ بھی کہ اس درجہ مصیبت میں کسی انسان کو یہ استقامت اور صبر و شکر کی نعمت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

شومئی قسمت کہ چند روز بعد بڈھے کا معصوم پوتا بھی وفات پا گیا۔ اس اطلاع کے بعد میں نے اپنی اندازہ شناسی کی تمام قابلیتوں کو نئے سرے سے جمع کیا اور بیقراری کے عالم میں اس کے گاؤں پہنچی مجھے یقین تھا کہ اب لاوارث بڈھا صبر و قرار کھو چکا ہو گا۔ اس کا دل و دماغ معطل ہو چکا ہو گا اور ناامیدی اس کی امید کے تمام رشتے منقطع کر چکی ہو گی مگر یہ دیکھ کر میرے حواس جواب دینے لگے کہ بڈھا اسی سکون کی حالت میں ہے جس کا تجربہ میں دو مرتبہ کر چکی تھی۔ میں نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اس کے مصائب پر غم کا اظہار کیا وہ سر جھکائے میری باتیں سنتا رہا کبھی کبھی اس کے سینے سے آہوں کی صدا بھی آتی۔ وہ سخت غمگین بھی تھا۔ مگر میرے خاموش ہونے پر اس نے کمال صبر و تحمل کا جواب دیا۔ ''میم صاحبہ! یہ سب خدا کی حکمت کے کھیل ہیں۔ اس نے جو کچھ دیا تھا خود ہی واپس لے لیا۔ اس میں ہمارا تھا ہی کیا۔ پھر ہم اپنے دل کو برا کیوں کریں بندے کو ہر حال میں خدا کا ہی شکر ادا کرنا چاہیے ہم مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر صبر کریں''۔

لیڈی بارنس درد دل کی کیفیتوں سے لبریز تھی اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا ''ڈاکٹر صاحب! بڈھے کا یہ پیغام میرے لیے قتل کا پیغام تھا۔ اس کی انگلی آسمان کی طرف اٹھتی تھی۔ مگر نشتر بن کر میرے دل میں اتر گئی تھی۔ میں نے اس مرد ضعیف، کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کیلئے سر جھکا دیا۔ مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ بڈھے کا یہ اطمینان قلب مصنوعی نہیں حقیقی ہے۔ اب وہ گاؤں میں اکیلا تھا۔ میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی اس نے شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل میں چلا آیا۔ یہاں وہ دن بھر ہوٹل کی خدمت کرتا اور رات کو خدا کی یاد میں مصروف ہو جاتا تھا۔

کچھ عرصے بعد ایک روز بڈھے نے قبرستان جانے کا ارادہ کیا تجسس کا جذبہ مجھے بھی اس کے ساتھ لے گیا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے جذبات کیا صورت اختیار کرتے

Marfat.com

ہیں۔ قبرستان میں پہنچ کر وہ شکستہ قبروں کو درست کرنے لگا۔ وہ مٹی کھود کھود کر لاتا اور قبروں پر ڈالتا۔ پھر وہ پانی لے آیا اور قبروں پر چھڑکاؤ کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے وضو کیا ہاتھ اٹھائے اور اہل قبرستان کے حق میں دعا کر کے چل دیا۔ میں نے اس تمام عرصہ میں نہایت احتیاط سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور اور ایمان کی پختگی جلوہ گر ہے میرے دل میں وہ چنگاری جو ایک مدت سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، یکا یک بھڑک اٹھی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بڈھے کی خوبی نہیں بلکہ اس دین حق کا کمال ہے جس کا یہ بڈھا پیروکار ہے۔ میں نے اس وقت مسلمان ہونے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ اور ہوٹل میں پہنچ کر اس نے کہا کہ وہ کوئی ایسی مسلمان عورت بلائے جو مجھے اسلامی تعلیم دے۔ بڈھا فی الفور اٹھا اور اپنے ملا کی لڑکی کو بلا لایا اس نے مجھے خدا اور رسول پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا سبق پڑھایا۔

''ڈاکٹر صاحب'' لیڈی بارنس نے روح پرور لہجے میں کہا ''اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوں۔ اور وہی عظیم الشان قوت ایمان جس سے بڈھے کا دل سرشار تھا اپنے سینے میں موجود پاتی ہوں''۔ (1)

اس ایمان افروز اور روح پرور واقعہ میں یہ خط کشیدہ الفاظ بار بار پڑھئے۔ کہ جب اس کا بیٹا فوت ہوا تو اس نے لیڈی بارنس سے کہا:

''میم صاحبہ! یہ خدا کی تقدیر ہے۔ خدا کی امانت تھی خدا لے گیا اس میں غمزدہ ہونے کی کیا بات ہے، ہمیں تو ہر حال میں خدائے غفور کا شکر ادا کرنا واجب ہے''۔

جب اس کی بہو فوت ہوئی تو اس نے کہا:

''میم صاحبہ! خدا کی رضا میں کوئی بشر دم نہیں مار سکتا اس کی شئی تھی وہی لے گیا۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر یہ ہی ادا کرنا چاہیے''۔

اور جب اس کا پوتا فوت ہوا تو اس نے کہا:

1۔ ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ ص 42-45، پروفیسر عبدالغنی فاروقی، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

''میم صاحبہ! یہ سب خدا کی حکمت کے کھیل ہیں۔ اس نے جو کچھ دیا تھا خود ہی واپس لے لیا ہے۔ اس میں ہمارا تھا ہی کیا؟ پھر ہم اپنے دل کو برا کیوں کریں۔ بندے کو ہر حال میں خدا کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے''۔

ان جملوں کو بار بار پڑھنے اور ان میں غور کرنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس بوڑھے کا پورا کنبہ اللہ کو پیارا ہو گیا اس کا بھرا گھر خالی ہو گیا اس کے گھر کی ساری رونقیں اس سے روٹھ گئیں تو ''تصور امانت'' نے اسے کس قدر بلند حوصلہ عطا کیا کہ میں جب ان چیزوں کا مالک تھا ہی نہیں۔ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے میرے پاس تو سب چیزیں بطور امانت تھیں تو مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفظ وایمان میں رکھے اور سب کو مشکل حالات سے محفوظ فرمائے (آمین) لیکن زندگی میں اگر کبھی کوئی چیز انسان سے چھن جائے تو چھنی چیز تو بہر حال واپس نہیں آتی لیکن تصور امانت انسان کو تسلیم و رضا کا سبق بھی دیتا ہے اور دل توڑنے والے حالات میں اس کی ہمتوں کو جوان بھی رکھتا ہے۔

بندہ اس عقیدہ پر کاربند رہے کہ مالک میں نہیں، مالک اللہ ہے۔ میرے پاس سب کچھ امانت ہے مالک جب تک چاہے گا امانت میرے پاس رہے گی اور جب چاہے گا واپس لے لے گا میرا تھا ہی کیا جو میں کسی چیز کے جانے پہ اپنی بقیہ زندگی بھی دکھوں کے سپرد کروں اور اپنے مالک کی بھی نافرمانی کروں۔

شاخ گل پہ آشیانہ کب تیری جاگیر تھی
بس غنیمت جان، جتنا کہ گزارہ ہو گیا

Marfat.com

دوستی اور اس کے آداب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۭ
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

(التوبہ 9:71)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

Marfat.com

دشمنی تو خیر ہر حالت میں ہوتی ہے گناہ
اک معین حد سے آگے دوستی بھی جرم ہے
ہم وفائیں کر کے رکھتے ہیں وفاؤں کی امید
دوستی میں اس قدر سوداگری بھی جرم ہے

Marfat.com

اچھے دوست اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ وہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے جسے زندگی میں چند ایک مخلص اور وفادار دوست نصیب ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں غریب وہ نہیں ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو بلکہ غریب وہ ہے جو مخلص دوستوں سے محروم ہے۔ وفادار دوست قسمت سے ملتے ہیں ان کی قدر کرنی چاہیے۔ انہیں عطیہ خداوندی سمجھ کے محفوظ کر لینا چاہیے محض کسی اختلاف رائے پہ انہیں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

کمال تو یہ ہے کہ دوستی کی بنیاد محبت الٰہی پر ہونی چاہیے۔ یعنی عموماً تو دوستی ذوق، مزاج یا مفاد کے مل جانے سے کی جاتی ہے۔ لیکن کمال ایمان یہ ہے کہ دوستی میں اپنی ذاتی ترجیحات کو چھوڑ کے محبت الٰہی کو ترجیح دی جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے والا ہو۔ اہل ایمان کو وہ محبوب ہو جائے۔ اگرچہ اس سے ذوق، مزاج یا مفاد نہ بھی ملتا ہو۔ اس کی اللہ سے محبت ہی اس سے دوستی کی بنیاد بن جائے اور اُس سے اس سے بھی بڑھ کر محبت کی جائے جس کے ساتھ ذوق یا مزاج مل گیا ہو۔ تعلقات اور دوستی کا یہ درجہ اعلیٰ ترین درجہ ہے اور یہ ایمانِ کامل کا ثمرہ ہے۔ چونکہ یہاں اپنے ذاتی خول سے بلند ہو کر محبت کی جاتی ہے اور دوستی کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس لئے دوستی کا یہ درجہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے اور ایسے دوستوں کی بارگاہ الٰہی میں بڑی قدر و منزلت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے کسی بھائی کو ملنے کیلئے کسی بستی میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھا دیا۔ جب وہ بندہ اس فرشتے کے پاس پہنچا تو فرشتے نے اس سے کہا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا اس بستی میں میرا ایک بھائی رہتا ہے۔ اسے ملنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کیا اس نے تجھ پر کوئی احسان کیا ہے تو جس کا بدلہ دینا چاہتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔ اس فرشتے نے اسے کہا:

فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِیْهِ۔

''میں تیری طرف اللہ کا قاصد ہوں (کہ میں تجھے یہ بتاؤں) کہ جیسے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے محبت کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے''۔(1)

جن سات بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا ان میں سے ایک وہ بھی ہوگا۔

رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ۔ (2)

''وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ملے اور اللہ تعالیٰ کے لیے الگ ہوئے، یہی وہ دوستی ہے جس کے متعلق حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''۔

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا یُرٰی ظَاهِرُهَا مِنْ بَوَاطِنِهَا وَبَوَاطِنُهَا مِنْ ظَوَاهِرِهَا، اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیْهِ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیْهِ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیْهِ۔ (3)

''بے شک جنت میں کچھ ایسے محل ہیں جن کے باطن سے ان کا ظاہر نظر آتا ہے اور ظاہر سے باطن نظر آتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے بنائے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے عاجزی سے پیش آتے ہیں''۔

دوستی اور محبت کی یہی وہ بنیاد ہے کہ جس کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

1۔ مسند احمد، ج 16، ص 40، امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث 9958، موسسۃ الرسالۃ (1420ھ)

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 6، ص 11، رقم الحدیث 7357، دار الکتب العلمیۃ، بیروت (1410ھ)

3۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 3، ص 193، رقم الحدیث 2903، دار الحرمین، القاہرہ (1415ھ)

Marfat.com

اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی جَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَغْبِطُھُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّھَدَاءُ (1)

''کہ میرے جلال کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں کیلئے نور کے ایسے منبر ہوں گے کہ جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے''۔

اس سے مراد دوستی اور محبت کا وہ اعلیٰ معیار ہے جس میں ایک انسان اپنے ذاتی خول سے اوپر اٹھ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے اگرچہ اس بندے سے اس کا مزاج نہ بھی ملتا ہو یہ پھر بھی محبت کرے کہ یہ میرے پاک رب سے محبت کرنے والا ہے اس میں ہر وہ تعلق شامل ہوگا جو محض رضائے الٰہی کے لئے قائم کیا جائے گا۔

اگر دوستی کا یہ اعلیٰ اور بلند ترین مقام پانا ہمیں بہت مشکل محسوس ہو تو ہمیں یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دوستی مزاج یا ذوق کی بنا پر ہو تو ہو مگر گناہ کی بنیاد پر کبھی نہ ہو۔ ہوس اور دوستی کو محبت کا نام دینا تو ویسے ہی بڑا گھٹیا پن اور کمینگی ہے۔ جس دوستی میں گناہ کا عنصر شامل ہو جائے وہ انسان کے لئے وبال جان بھی بن جاتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دوستی دیرپا اور راحت قلب وجاں رہے تو ہمیں دوستی کے مقدس رشتہ کو کسی بھی گناہ کی آلودگی سے بچانا ہوگا۔

گناہ صرفِ ہوا و ہوس پر ہی مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اگر دوست نے کہا کہ آؤ فلاں کے گھر ڈاکا ڈالیں یا فلاں کی پگڑی اچھالیں اور دوسرے نے سوچا کہ یہ میرا دوست ہے اور دوستی کا تقاضا ہے کہ میں اس کی بات مانوں۔ یہ بھی دراصل دوستی میں گناہ کا عنصر شامل کرنا ہے ہر دوستی حکم الٰہی کے تابع ہونی چاہیے اور اگر دوست کوئی بھی غلط کام کرے تو دوستی کا تقاضا اس کی تائید کرنا نہیں بلکہ اسے گناہ سے روکنا ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

أَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ مَنْ رَفَعَ اِلَیَّ عُیُوْبِیْ (2)

1۔ سنن الترمذی، ج4، ص597، رقم الحدیث 2390، باب الحب فی اللہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ کنز العمال، ج9، ص174، رقم الحدیث 25573، موسسۃ الرسالۃ (1401ھ)

Marfat.com

''میرا سب سے اچھا دوست وہ ہے جو مجھے میرے عیب بتاتا ہے''۔

ایمان اور اعمال صالحہ کے بعد اہل ایمان کی یہی نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر 3:103)

''اور وہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں''۔

اور اگر ہم ذرا گہرائی میں اتر کر سوچیں تو اخلاص کی نشانی بھی یہی ہے۔ جو دوست کو غلطی پر روکتا ہے وہی اس کے لئے مخلص ہے جو گناہ میں بھی اس کا ساتھ دیتا ہے وہ دراصل اس کا دشمن ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی انسان بغیر کسی دنیوی مقصد کے کسی اپنے دوست کو ملنے جاتا ہے تو یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ وہ بغیر کسی دنیوی مقصد کے اسے ملنے جا رہا ہے یہ اس کی اس سے محبت اور صاف نیتی پر دلیل ہے لیکن بہر حال اس میں اس کا ایک ذاتی فائدہ بھی مضمر ہے اور وہ اس کا سکون قلب ہے۔ اخلاص کا اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔ جس میں اس کے دوست کی بھلائی اور سعادت دارین مخفی ہے۔ اور اگر کسی بندے کو کسی ولی یا اپنے شیخ سے محبت ہے تو یہاں اخلاص یہ ہے کہ وہ اس کے احکامات کو مانے اور اس کی نیکی کی جدو جہد میں اس کا شریک ہو جائے۔ کسی مقرب الٰہی سے اخلاص کا تقاضا صرف اس کی تعریفیں کرنا نہیں ہے یہ بھی درست ہے کہ یہ بھی بذات خود ایک نیک کام ہے لیکن اس سے ہمارا دل خوش ہوتا ہے کہ ہم اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہیں لیکن جب ہم اس کے احکامات پہ عمل کریں گے تو اس سے اس کا دل خوش ہو گا تو دوستی کا تقاضا ہر اچھائی' برائی میں دوست کا ساتھ دینا نہیں بلکہ اچھے کام میں اس کا ساتھ دینا ہے ورنہ یہ دوستی بہت جلد دشمنی میں بدل جاتی ہے اور انسان کے لئے تباہی کا باعث بنتی ہے۔

دوست، دوست ہوتا ہے وہ زر خرید غلام اور نوکر نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کے احساسات اور جذبات کا خیال رکھے بغیر دوستی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ یعنی اگر ایک دوست نے

Marfat.com

کسی وقت اپنے دوست کی بات نہ مانی تو اسے ناراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے سوچ لینا چاہیے کہ ممکن ہے وہ کسی مجبوری میں پھنسا ہوا ہو۔

کچھ تو مجبوریاں رہیں ہوں گی
یوں کوئی بیوفا نہیں ہوتا

اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنا بھی دوستی کو اسی طرح کھا جاتا ہے جیسے دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ دوستوں کی رائے کو بھی اہمیت دینا یا شائستگی سے ان سے اختلاف رکھنا بھی ان کی نظروں میں آپ کی قدر و قیمت کو زیادہ کرے گا اور دوستی کے رشتوں کو مستحکم اور توانا کرے گا۔ دراصل ہر شخص یہ تو ضرور سوچتا ہے کہ میرے دوست اچھے ہوں لیکن اپنے اوپر غور نہیں کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایمان کی علامت ہی یہ بیان فرمائی کہ

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (1)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دوست ہمارے احساسات و جذبات کا خیال رکھیں تو ہمیں بھی ان کے احساسات و جذبات کی پاسداری کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہمارے دوست ہیں غلام نہیں ویسے بھی دوستی تو دوست کی رضا چاہتی ہے برابری کا تقاضا نہیں کرتی ایک آقا کے پاس ایک بڑا خوبصورت غلام تھا۔ آقا ہمیشہ اس کی دوستی کا دم بھرتا اور اس کے ناز نخرے اٹھاتا۔ ایک دن آقا اپنے دوست سے کہنے لگا کہ کاش یہ غلام اتنا زباں دراز اور گستاخ نہ ہوتا اس کے دوست نے جواب دیا کہ جب تم نے اس سے محبت کا عہد و پیماں باندھ لیا تو پھر اس کی بے باکی کا شکوہ کیسا

ہاں وہ نہیں ہے باوفا جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (غالب)

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 8، ص 167، رقم الحدیث 8292، دار الحرمین القاہرہ، (1415ھ)

Marfat.com

مخلص دوست اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں انہیں ضائع کرنا کفران نعمت ہے ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہوتا ممکن ہے ہمارے دوست میں کوئی کوتاہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے ہم میں کوئی کوتاہی ہو ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا دوستی کو استحکام بخشتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے دل میں ایک وسیع وعریض قبرستان بنالو جس میں اپنے دوستوں کی غلطیوں کو دفن کرتے رہو۔ ایک عرب شاعر نے بہت اچھی اور گہری بات کہی تھی۔

عِش واحدا اوصل اخاکَ فانه

مقارف ذنب مرة ومجانبه

''تو اکیلا ہی رہ یا اپنے بھائی سے صلہ رحمی کیا کر۔ کیونکہ وہ کبھی کسی غلطی کا ارتکاب کرے گا اور کبھی اس سے بچے گا''۔

یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تیرے دوست کی ہر بات تیرے مزاج کے مطابق ہو اور اس سے کبھی بھی غلطی نہ ہو۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرا دوست ایسا ہو کہ اس کا ہر کام تیرے ذوق اور مزاج کے مطابق ہو تو پھر تو اکیلا ہی رہ تجھے ایسا کوئی آدمی نہیں ملے گا۔

یہ حقیقت تو اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق بھی بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے تو اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے تو ہمیں چاہیے کہ ہم بھی دوسروں کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرتے رہیں اور دوست تو عام لوگ لوگوں سے بھی بہت بڑھ کے ہوتے ہیں۔ اور دوستی کا تقاضا تو وفا ہے، بدلہ نہیں۔

مفکرین اور دانشوروں نے اپنے اپنے الفاظ میں دوستی اور اس کے آداب کو بیان کیا ہے۔ ابن زیدون نے کہا تھا:

''دوست کا عیب چھپانا خیانت ہے اور دوسروں کو بتانا غیبت''۔

ویسٹن کہتا ہے:

Marfat.com

''دوستی کے بندھن کو مضبوط بنانا ہے تو دوستوں سے ملتے رہیے اگر بہت مضبوط بنانا ہے تو کبھی کبھار ملئے''۔

نبی کریم ﷺ نے اسی حقیقت کو بہت پہلے بہت خوبصورت انداز میں فرما دیا تھا۔

زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا (1)

''ایک دن چھوڑ کے ملا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے''۔

ونچل دوستی کے تقاضے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے''۔

ایک اور دانشور کا قول ہے:

''دوستوں کی محرومیوں اور نامرادیوں سے ہر کوئی ہمدردی کر سکتا ہے لیکن اس کی کامیابیوں سے ہمدردی کرنے کیلئے بے حد بلند فطرتی کی ضرورت ہے''۔

یعنی دوستی کا حقیقی تقاضا صرف غمی میں شریک ہونا نہیں بلکہ اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا ہے اور یہ بہت گہرے تعلق کا نتیجہ ہوتا ہے۔

دوست دوست کا حقیقی خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے جذبات واحساسات کی قدر کرتا ہے۔ اور اس کیلئے فلاح دارین کا خواہاں ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ دوست نہیں ہے دوستی کے روپ میں کوئی مطلب پرست ہے یا اس کا گہرا دشمن۔

1۔ نفس مصدر، ج 3، ص 248، رقم الحدیث 3052

Marfat.com

عبرت اور نصیحت

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ (البقرہ2:66)

''سو ہم نے اس (واقعہ) کو اس زمانے کے اور بعد کے لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت بنا دیا''۔

Marfat.com

یہ ذکر نیم شی، یہ مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

اس دنیا میں کوئی فرد یا قوم اپنے گناہوں کی پاداش میں جب بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی اور سرکشی کے سبب جب اسے تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے تو اس تناظر میں لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ جب کسی ایسے فرد یا قوم کے متعلق سنتے ہیں کہ اس کے گناہوں کے سبب اسے زلزلے کے عذاب سے تباہ کیا گیا اور صفحہ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹا دیا گیا یا فلاں قوم کو آندھی اور تیز ہواؤں سے اس طرح تباہ و برباد کر دیا گیا کہ ہوا انہیں اڑا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر اس طرح پٹخ کے زمین پر مارتی کہ ان کا سر الگ گرتا اور دھڑ الگ۔ یا فلاں قوم پر ایک چیخ کا عذاب آیا کہ اتنی ہیبت ناک اور خوفناک چیخ بلند ہوئی کہ ان کے دل ان کے سینوں میں پھٹ گئے اور وہ ابدی نیند سو گئے۔ یا فلاں قوم پر عذاب الٰہی اس طرح آیا کہ جب شدید دھوپ میں ایک بادل کا ٹکڑا آیا تو وہ قوم اسے رحمت سمجھ کر اس کے نیچے اکٹھی ہو گئی اور پھر اس بادل کے ٹکڑے سے بارش نہیں برسی بلکہ آگ برسنے لگی اور اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

ایسی قوم کا انجام سن کر کچھ لوگ توبہ توبہ کرتے ہیں، کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور پھر اپنے انہیں کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں جس میں پہلے مگن تھے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو جب یہ سنتے ہیں کہ فلاں قوم کو ماپ تول میں کمی کے سبب ہلاک کیا گیا تو وہ عزم مصمم کرتے ہیں کہ وہ کبھی بھی ماپ تول میں کمی نہیں کریں گے۔ فلاں قوم پر عذاب الٰہی اس لئے آیا کہ وہ شہوانی خواہشات غیر فطری طریقہ سے پوری کرتے تھے تو وہ پختہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس فعل کا ارتکاب نہیں کریں گے جس کے سبب وہ قوم ہلاک ہو گئی۔

انسانوں کے ان دو گرہوں میں سے پہلے گروہ کا رد عمل اگرچہ ایمان کا ایک کمزور ترین درجہ ضرور ہے لیکن ایسا رد عمل کوئی کمال نہیں ہے اور یہ ایک اضطراری قسم کا عمل ہے انہوں نے ایک اضطراری حرکت کا اظہار تو کیا لیکن اس واقعہ میں تدبر و تفکر کر کے اپنی اصلاح کی غذا نہیں لی جبکہ قرآن مجید میں جو واقعات و قصص بیان کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد کوئی تاریخی داستانیں

Marfat.com

سنانا نہیں اور نہ ہی جذبہ ملی کو غذا دینا ہے بلکہ ان کا مقصد وحید ہی تدبر و تفکر کی دعوت دینا ہے تا کہ لوگ اس میں غور وخوض کر کے اپنی اصلاح کا سامان کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (1)

''سوانہیں قصے سنایئے تا کہ وہ غور وفکر کریں''۔

تو اس گروہ کا رویہ وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے جبکہ دوسرا گروہ جس نے ایک واقعہ کو سن کر اس سے نصیحت کی غذا لی۔ اور جس سبب سے وہ قوم ہلاک کی گئی تھی انہوں نے اس سبب کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اگر کوئی اس گناہ میں مبتلا تھا تو اس نے اسے فوری طور پر ترک کر دیا ان لوگوں کا رویہ درست اور قابل تقلید رویہ ہے۔ قرآنی اصطلاح میں پہلے لوگوں کا رویہ ''عبرت'' اور دوسروں کا ''نصیحت'' کہلاتا ہے۔

پہلے اس آیت کا پس منظر ملاحظہ ہو:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ''ایلہ'' میں سکونت پذیر تھی۔ یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا اس سمندر میں سال کے درمیان ایک مرتبہ اتنی مچھلیاں آجاتی تھیں کہ وہ سمندر کے پانی کو ڈھانپ لیتی تھیں۔ اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن بہت زیادہ مچھلیاں سطح آب پر آجاتی تھیں۔ اور ان لوگوں کو ہفتے کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا گیا۔ انہوں نے حکم الٰہی کو توڑنے کیلئے ایک حیلہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں۔ ہفتے کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتی۔ اور وہ اتوار کے دن انہیں پکڑ لیتے وہ اسی طرح حکم الٰہی کو پامال کرتے رہے اور ایک طویل عرصہ تک اس نافرمانی میں مشغول رہے خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ انہیں منع کرتے رہے اور کچھ لوگ صرف دل میں ان کی اس حرکت کو برا جانتے رہے وہ منع کرنے والوں سے کہتے کہ ہم ایک لمبے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی عذاب نہیں بھیجا

1۔ الاعراف 176:7

بلکہ اس نے ہمیں مزید خیر ہی عطا فرمائی ہے انہیں کہا گیا اللہ کی اس مہلت سے دھوکہ نہ کھاؤ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔ جب وہ نہ مانے تو ایک دن سب کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تین دن کے بعد وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ (1)

حکم الٰہی کو پامال کرنے کی پاداش میں اس قوم کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا اور پھر انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ اس واقعہ کی اثر پذیری کے حوالہ سے لوگوں کے رویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٦٦

”پس ہم نے اس (واقعہ) کو اس زمانے کے اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت بنا دیا“۔(2)

یعنی اس واقعہ کو سن کر کانوں کو ہاتھ تو سب ہی لگاتے رہیں گے۔ اور اضطراری طور پر ان کی زبان سے ”توبہ، توبہ“ بھی نکلتا رہے گا لیکن اس سے عملی طور پر نصیحت حاصل کرنا اور جس جرم کی وجہ سے وہ لوگ اس عبرتناک سزا کا شکار ہوئے اس جرم سے بچنے کی غذا لینا صرف انہیں لوگوں کے حصہ میں آیا جن کا دل تقویٰ کے نور سے منور تھا۔ یعنی عام لوگوں کا رویہ صرف اضطراری تھا جبکہ متقین نے اس سے عملی طور پر نصیحت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کو یہی چیز مقصود تھی۔

ہم سنتے ہیں کہ فلاں سود خور کو دفن کرنے کے لئے جب قبر کھودی گئی تو قبر سے سانپ نکلے۔ یہ بات سن کر صرف کانوں کو ہاتھ لگا لینا کافی نہیں ہے بلکہ جس نے سود سے بچنے کا عزم مصمم کیا اور اگر وہ ایسے کسی گناہ میں مبتلا تھا تو اسے فوری طور پر چھوڑ دیا یہ تقویٰ کی علامت ہے۔ اگر کسی قوم کے گناہوں کی وجہ سے بارش رک جائے تو سب لوگ بارش کے لئے دعائیں تو مانگتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ میرے مالک میں رشوت خوری کے گناہ میں مبتلا تھا آج تیری رضا کے لئے اسے ترک کرتا ہوں۔ بارش برسا۔ اے میرے کریم

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ التفسیر الکبیر، 3، ص 110۔ امام فخر الدین رازی، مکتبۃ الاعلام الاسلامیہ (1411ھ)
2۔ البقرہ 66:2

Marfat.com

رب! میں بدکاری کے گناہ میں مبتلا تھا آج تیری رضا کیلئے اسے چھوڑتا ہوں بارش عطا فرما دے۔ اگر اس طرح عذاب سے ترک گناہ کا نتیجہ اخذ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ دعا ختم ہونے سے پہلے ہی بارش نازل فرمادے گا۔ شیخ سعدی کی ایک حکایت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہو گیا۔ جہاں بھر کے طبیبوں نے علاج کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر ایک درباری نے کہا کہ اے جہاں پناہ! اس شہر میں ایک پرہیز گار رہتا ہے۔ جس کی دعا سے تمام دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ اس سے دعا کرائیے۔ بادشاہ نے قاصد بھیجا اور وہ درویش حاضر ہو گیا جب بادشاہ نے دعا کے لئے کہا تو بولا میری دعا سے آپکو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا کہ آپ نے بیسیوں بے گناہوں کو چاہ و بند میں ڈال رکھا ہے۔ مجھ ایک کی دعا کیسے کارگر ہوسکتی ہے۔ جب ہر روز لاتعداد مظلوموں کے ہاتھ بددعا کیلئے اٹھتے ہیں یہ بات سن کر بادشاہ نے تمام قیدی چھوڑ دیئے۔ اور مردم آزادی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی اس پر اس درویش نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور پھر ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ اے رب کائنات! یہ بادشاہ تجھ سے باغی ہو گیا تھا۔ اور تو نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اب یہ اپنی حماقت پہ نادم اور تیرے فضل کا طالب ہے۔ اس لئے رحم فرما۔ ابھی اس کی دعا جاری تھی کہ بادشاہ تندرست ہو گیا۔ اور محل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پارسا نے بادشاہ کو مبارک باد دی اور کہا کہ آئندہ سنبھل کر چلو کہ۔

نہ ہر بار افتادہ برخاست است

"گرنے والا ہر بار نہیں اٹھتا"۔ (1)

اس حکایت سے عبرت اور نصیحت کا فرق بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ جب اس بزرگ نے اسے کہا تھا کہ تیرے حق میں شفایابی کی دعا قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ تو نے بہت سے بیگناہوں کو قید و بند میں مبتلا کیا ہوا ہے یعنی تیرا اللہ تعالیٰ کے بے بس بندوں پر یہ ظلم وستم ہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے تو اس بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگر یہ سن کر وہ بادشاہ کانوں کو ہاتھ ہی لگاتا رہتا اور یہی کہتا رہتا کہ توبہ توبہ اللہ کے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے ورنہ اللہ

1۔ دانش رومی و سعدی، ص 71، مرتبہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

تعالیٰ کا عذاب بیماری کی شکل میں انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور بے گناہوں کو عملی طور پر آزاد نہ کرتا تو یہ محض ''عبرت'' ہوتا لیکن جب اس نے اس عبرت سے نصیحت حاصل کی اور بے گناہوں کو آزاد کر دیا تو اب اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ بھی قبول فرمالی یاد رہے کہ ''نکال'' اس عبرت کو ہی کہا جاتا ہے جو لوگوں کو اس گناہ سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

(نکالا) عِبْرَةً مَانِعَةً مِنِ ارْتِكَابِ مِثْلِ مَاعَمِلُوْا۔ (1)

''نکالا'' ایسی عبرت کو کہا جاتا ہے جو اس گناہ سے روکنے والی ہوتی ہے جو ان لوگوں نے کیا ہو''۔

یعنی وہ چیز فی نفسہ گناہوں سے روکنے کی صلاحیت تو رکھتی ہے لیکن اس سے رکتے وہ ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔اور اس چیز کو بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مطلوب یہی ہوتا ہے کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور ان گناہوں سے بچ جائیں۔

انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ دوسرے کو ملنے والی سزا سے نصیحت حاصل کر کے اس غلطی سے بچ جاتا ہے۔سزا کو دیکھ کر کان کو ہاتھ لگالینا کافی نہیں یہ تو ایک اضطراری عمل ہے۔سزا کو دیکھ کر جس گناہ کے سبب وہ سزا ملی اس گناہ کو مکمل طور پر چھوڑ دینا متقین کا طریقہ ہے عربی کا مقولہ ہے''اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ لِغَيْرِهٖ'' کہ سعادت مند وہی ہوتا ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے۔

اس تناظر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حکایت ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ شیر، بھیڑیا اور لومڑی مل کر شکار کو نکلے گو شیر نر کو ان کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے شرم آتی تھی۔تاہم از راہ لطف و کرم اس نے انہیں اپنے ہمراہ آنے کی دعوت دے دی۔ان کو شکار میں نیل گائے، ہرن اور خرگوش ہاتھ آئے۔وہ اس شکار کو گھسیٹ کر پہاڑ سے میدان میں لے آئے۔اور اس پر اپنے دانت تیز کرنے لگے۔بھیڑیئے اور لومڑی کے دل میں طمع پیدا ہوئی کہ شکار میں ان کو بھی پورا حصہ ملنا چاہیے۔

1۔تفسیر جلالین، ج1،ص50،امام جلال الدین سیوطی،قاسم پبلی کیشنز،اردو بازار،لاہور

Marfat.com

شیر ان کی نیت کو تاڑ گیا لیکن خاموش رہا اور دل میں کہا کمینو! تم نے عطائے شاہی پر بھروسہ نہیں کیا۔ دیکھو تو سہی میں تمہیں اس بدنیتی کی کیسی سزا دیتا ہوں۔

پہلے اس نے بھیڑیئے سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے گرگ باراں دیدہ تو اس شکار کو انصاف سے تقسیم کر۔ بھیڑیئے نے کہا۔ اے بادشاہ نیل گائے تیرا حصہ ہے کیونکہ تو بھی بڑا ہے اور نیل گائے بھی، اور ہرن میرا حصہ ہے کہ یہ درمیانے درجہ کا شکار ہے اور خرگوش لومڑی کے لائق ہے۔ شیر نے یہ سن کر کہا "اے کمینے کتے! میرے آگے تیری کیا ہستی ہے۔ جو تو نے تیرا اور میرا کہہ کے حصے تقسیم کیے" پھر اسے آگے بلایا۔ جب وہ سامنے آیا تو اس کے منہ پر اس زور سے پنجہ مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔

پھر اس نے لومڑی کو حکم دیا کہ اب تو اس شکار کو تقسیم کر۔ لومڑی پہلے تو کورنش بجالائی اور پھر نہایت ادب سے عرض کی کہ عالی جاہ! خرگوش سے ناشتہ فرمائیں، ہرن دن کو کھائیں اور گائے رات کو۔ اس فیصلہ سے شیر بہت خوش ہوا اور اس نے پوچھا اے معزز لومڑی! تو نے یہ منصفانہ تقسیم کس سے سیکھی۔ اس نے عرض کی جہاں پناہ! اس بھیڑیئے سے۔

شیر یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا تو نے ہمارے لیے اپنی ذات مٹا دی۔ جب تو ہی ہماری ہو گئی تو ہم بھی تیرے ہیں۔ اب چاہے تو آسمان پر پرواز کر۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت کا نتیجہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

عاقل آں باشد کہ عبرت گیرد از　　مرگ یاراں وبلائے محترز (1)

"عقلمند وہ ہے جو دوستوں (عزیزوں اور یگانوں) کی موت اور لوگوں کے مصائب سے نصیحت حاصل کرتا ہے"۔

اگر بھیڑیئے کا انجام دیکھ کر لومڑی توبہ توبہ تو کرتی، کانوں کو ہاتھ لگاتی۔ لیکن غلطی وہی کرتی جو بھیڑیئے نے کی تھی۔ تو اس کی توبہ، توبہ اسے بھیڑیئے کے انجام سے نہ بچا سکتی۔ وہ اس انجام بد سے اسی وقت بچی جب اس نے اس غلطی کو چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے بھیڑیا اس

1۔ ماخوذ، حکایات رومی، ص 62-63، مرتبہ طالب ہاشمی، شعاع ادب، لاہور

Marfat.com

انجام تک پہنچا اور لومڑی کا یہ عمل محض عبرت نہیں بلکہ نصیحت کہلائے گا۔

دنیا ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے تکبر میں مبتلا کس خوفناک انجام کا شکار ہو کے دنیا سے گیا؟ حرام کی کمائی نے اسے کس ذہنی کرب میں مبتلا کیا؟ اور وہ کس طرح مخبوط الحواس ہو گیا؟ دوسروں کی ماؤں بہنوں کی عزتوں سے کھیلنے والا کس روح فرسا انجام تک پہنچا؟ بدکار کس طرح تباہ و برباد کر دیئے گئے؟ ہمارے ہاں کمی معلومات کی نہیں، احساس و شعور کی ہے دنیا کی اس کھلی ہوئی کتاب کو پڑھنے کے بعد فیصلہ ہم نے خود کرنا ہے کہ کیا ہم صرف ان گناہوں کا خوفناک انجام دیکھ کے رسمی طور پر توبہ توبہ ہی کرتے ہیں؟ صرف کانوں کو ہاتھ ہی لگاتے ہیں یا ان گناہوں کو بھی چھوڑتے ہیں جو ان تباہیوں اور بربادیوں کا باعث بنے۔ ان واقعات کو ہم صرف ''عبرت'' ہی بناتے ہیں یا ان سے نصیحت کی غذا لیتے ہیں سامان عبرت تو سب کے لئے ہوتا ہے لیکن نصیحت انہیں لوگوں کا حصہ ہے جن کے دل تقویٰ کے نور سے تاباں و منور ہوتے ہیں۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں یارو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فَافْهَمْ فَافْهَمْ

Marfat.com

ذاتی اخلاص یا قابلیت

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا
حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا
یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾

(النساء4:58)

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کر دو۔ اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو عدل سے کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کتنی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے‘‘۔

Marfat.com

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خون افشانی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

☆☆☆☆☆

فیصلے لمحوں کے ہو جاتے ہیں صدیوں پر محیط
ایک لغزش کئی نسلوں کو سزا دیتی ہے

Marfat.com

انسان جب کسی کو کسی عہدے پہ فائز کرتا ہے یا اسے کوئی منصب اور ذمہ داری سونپتا ہے تو وہاں ممکنہ طور پر دو ہی چیزیں اس کا محرک بن سکتی ہیں۔ یا تو وہ شخص اس کیلئے ذاتی طور پر بہت مخلص ہوگا یا اس شخص میں اس ذمہ داری کو نبھانے کی صلاحیت بھرپور انداز میں موجود ہوگی۔ اگر عہدہ یا منصب قابلیت کو نظر انداز کر کے محض ذاتی اخلاص یا ذاتی تعلقات کی بنا پر تقسیم کیے جانے لگیں تو معیار ختم ہو جائے گا اور ادارے تباہ ہو جائیں گے اس لئے مذہب، اخلاق اور عقل و شعور، ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی ذمہ داری یا منصب ذاتی تعلقات یا انفرادی اخلاص کی بنا پر نہیں بلکہ صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر تقسیم کیا جائے ورنہ ادارے تباہ ہو جائیں گے اور ملک قوم کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی۔

اس تناظر میں بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ انسان کے پاس جو بھی اختیار یا حق تصرف ہے وہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے اگر وہ بغیر اہلیت کے کسی کو اس منصب پہ فائز کرتا ہے تو دراصل وہ امانت میں خیانت کرنے والا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (1)

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کر دو“۔

جس طرح ذاتی امانت میں خیانت جرم ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملکی اور قومی امانت میں خیانت جرم ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کسی بھی منصب پر کسی کو فائز کرنے کیلئے یہ نہ دیکھا جائے کہ اس شخص کے آپ سے ذاتی تعلقات کیسے ہیں اور انفرادی طور پر اس شخص کے زہد و تقویٰ کا معیار کیا ہے بلکہ اس چیز کو ترجیح دی جائے کہ اس منصب پر کام کرنے کی اس میں کتنی صلاحیت ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1۔ النساء،4:58

Marfat.com

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اسْتَعْمِلْنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِیْ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَاذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَاِنَّهَا الْاَمَانَةُ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَ بِحَقِّهَا وَاَدّٰى الَّذِیْ عَلَيْهِ فِيْهَا۔ (1)

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گورنر بنا دیجئے۔ آپ نے اپنا دست پاک میرے کاندھے پر مارا، اور فرمایا اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن ذلت اور ندامت ہے مگر اس شخص کیلئے جو اس کے حقوق کو سمجھے اور انہیں اچھی طرح ادا کرے''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں بلاشبہ ان کا اخلاص عدیم النظیر ہے لیکن چونکہ ان کے مزاج میں وہ مخصوص ملکہ، جو اس کام کے لیے ضروری ہے، مفقود تھا اس لئے آپ نے ان کے تمام تر اخلاص ومحبت اور تقوی وتدین کے باوجود انہیں وہ ذمہ داری نہیں سونپی، اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ذاتی اخلاص اور باہمی محبت کے باوجود کسی شخص کو وہ ذمہ داری نہ سونپنا جو اسے اچھی طرح نباہ نہ سکے یہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت کا ایک پہلو ہے۔

عقل ودانش کا تقاضا ہے کہ یہ اصول ملکی اور بین الاقوامی معاملات سے لیکر انفرادی معاملات تک محیط ہونا چاہیے کہ نظام حیات کو چلانے کیلئے محض ذاتی اخلاص کافی نہیں ہے اس کے مطابق صلاحیت بھی درکار ہے اگر صلاحیت مفقود ہو اور بے شک اخلاص پایا جارہا ہو تو پھر نتائج کیا نکلتے ہیں اس کا اندازہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ان دو حکایات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک اژدہا ریچھ کو کھینچ رہا تھا کہ ایک جوانمرد ادھر سے گزرا۔ اسے ریچھ کی مظلومی پہ ترس آگیا اور وہ اس کی مدد پر آمادہ ہوگیا کیونکہ

شیر مردانند درعالم مدد آں زماں کا فغان مظلوماں رسد

''دنیا میں جواں مرد یونہی مظلوموں کی آہ وزاری کو سنتے ہیں ان کی مدد پر کمر

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص95، رقم الحدیث 20707، مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدرآباد (1344ھ)

Marfat.com

بستہ ہو جاتے ہیں''۔

اس نوجوان نے اپنی جان پر کھیل کر ریچھ کو اژدہے سے بچالیا۔ ریچھ اپنے محسن کا بندہ بے دام بن گیا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں وہ ایک جگہ لیٹ کر سستانے لگا اور ریچھ اس کی نگہبانی کرنے لگا۔ ایک راہ گیر نے اس سے پوچھا۔ کہ بھائی اس ریچھ سے تیرا کیا واسطہ ہے۔ اس شخص نے اژدہے کا قصہ بیان کیا۔ راہ گیر نے کہا بھائی ریچھ کی دوستی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نادان کی دوستی دانا کی دشمنی سے بدتر ہے۔ وہ جوانمرد دراصل سادہ دل بلکہ بیوقوف تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ راہ گیر مجھ کو از راہ حسد مشورہ دے رہا ہے۔ اس نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور مزے سے سو گیا۔ ریچھ نے اپنے محسن کو سوتے دیکھا تو بڑی مستعدی سے اس کے منہ سے مکھیاں جھلنے لگا۔ لیکن مکھیاں تھیں کہ بار بار اس کے منہ پر آبیٹھتی تھیں۔ ریچھ کو اس بات پہ شدید غصہ آیا اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھالیا اور ان مکھیوں کو مارنے کیلئے اپنے محسن کے منہ پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ داناؤں نے اس لیے کہا ہے کہ نادان کی محبت کو ریچھ کی دوستی سمجھو''۔(1)

یہاں زرا سا غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریچھ اس جوان آدمی کا دشمن نہیں تھا، دوست تھا۔ بدخواہ نہیں تھا، خیر خواہ تھا۔ کمی اخلاص میں نہیں تھی قابلیت میں تھی۔ اگر صرف نیک نیتی مثبت نتائج کیلئے کافی ہوتی تو اس نوجوان کو موت کے گھاٹ نہ اترنا پڑتا۔ مولانا رومؒ اسی حقیقت کو واضح کرنے کیلئے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بادشاہ کا باز شاہی محل سے اڑ کر ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں چلا گیا۔ بڑھیا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پھر اسے پکڑ کر کہنے لگی کہ اے خوبصورت پرندے تو کس نااہل کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ہائے اس ظالم نے تیری قدر نہ جانی۔ تیرے ناخن اور پر کس قدر لمبے ہو گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے باز کے پاؤں باندھ کر اس کے پر اور ناخن کاٹ ڈالے۔

جاہل ار با تو نماید ہمدلی　　عاقبت رحمت زند از جاہلی

1۔ حکایات رومی، ص 83-84، مرتبہ طالب ہاشمی، شعاع ادب، لاہور

''جاہل اگرچہ تجھ سے دوستی جتائے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ بالآخر تجھے تکلیف ہی دے گا''۔

اتنے میں بادشاہ بھی باز کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں آپہنچا۔ اس نے باز کا یہ حال دیکھا تو بے اختیار رو پڑا اور کہا یہ تیری بیوفائی کی سزا ہے۔

ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز آں رسد باوکہ باآں شاہباز

''جوشخص کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا۔ اس کا وہی حال ہوگا جو اس باز کا ہوا''۔

بے زبان باز نے اپنے پر بادشاہ کے ہاتھ پر رکھے اور کہا مجھ سے خطا ہوئی اب اگر تو نہ بخشے تو پھر میں کس کے دروازے پر جاؤں؟ میں نے اب توبہ کرلی ہے۔ اگر تیرا لطف وکرم میرے شامل حال ہو جائے تو ناخنوں اور پروں کے بغیر بھی میں شاہباز ہوں۔ باز کی پشیمانی اور گریہ وزاری کو دیکھ کر بادشاہ کا دریائے کرم جوش میں آ گیا اور اس نے اس کو پھر اپنا محبوب بنالیا۔(1)

یہاں بھی بڑھیا کی نیک نیتی اور اخلاص میں شک نہیں ہے لیکن شہباز کا یہ انجام اس لیے ہوا کہ بڑھیا اخلاص کے باوجود قابلیت سے محروم تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر انفرادی معاملات میں صرف نیک نیتی کافی نہیں بلکہ اس کام کے مطابق اگر صلاحیت مفقود ہو تو نتائج بہت ہی خطرناک اور عبرتناک نکلتے ہیں۔ اور اگر اجتماعی معاملات میں کسی کو کوئی منصب محض اس کے ''ذاتی اخلاص'' کی بناپر ہی سونپ دیا جائے جبکہ وہ اسے نبھانے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ نتائج کس قدر خوفناک اور بھیانک ہوں گے؟

مذہب، اخلاق اور عقل ودانش کا تقاضا یہی ہے کہ ذاتی اخلاص اپنی جگہ پر ضرور قابل قدر سہی، لیکن محض ذاتی تعلقات اور انفرادی اخلاص کی بنا پر کسی کو وہ ذمہ داری نہ سونپی جائے جس کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ ورنہ ادارے تباہ ہو جائیں گے اور قوم کو ہلاکت وبربادی سے کوئی نہ بچا سکے گا۔

1۔ نفس مصدر، ص 71-72

Marfat.com

عبادت، عبادت ہے سوداگری نہیں

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الانعام 162:6)

"آپ فرمایئے! بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

واعظ! کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

(اقبالؒ)

Marfat.com

ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت! اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں مگر کچھ نفع نہیں ہوتا۔ اس کی مراد یہ تھی کہ جس دنیوی مقصد کے لئے میں یہ ذکر کر رہا ہوں یا وظیفہ پڑھ رہا ہوں وہ حاصل نہیں ہو رہا۔ ممکن ہے اسے کسی نے بتا دیا ہو کہ یہ وظیفہ پڑھ تیرا کاروبار بڑا چمکے گا۔ تیرے دشمن مرعوب ہو کے تیرے قدموں میں آجائیں گے یا تیرے گھر سے ساس بہو کا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ لیکن وہ ورد کرنے اور وظیفہ پڑھنے کے باوجود اسے وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو کہنے لگا حضرت! ذکر کرتا ہوں لیکن فائدہ نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ تو اس کا نام لیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کے پاک نام کی مالا جپنا بذات خود نفع ہی نفع ہے۔

مختلف مذاہب میں عبادت کے مختلف مقاصد متعین کیے گئے ہیں کسی کے نزدیک عبادت کا مقصد دنیا کی پریشانیوں سے نجات ہے، کسی کے نزدیک کشف قبور ہے، کسی کے نزدیک خرق عادت چیزوں کا حصول ہے۔ جب کہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق عبادت کا مقصود اصلی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرنا، اس کی رضا کی طلب اور اسکی محبت کو پانے کی کوشش کرنا ہے۔ وہ دنیوی مشکلات آسان فرمادے تو اس کا کرم، وہ غیب کے پردے اٹھا دے تو اس کی نوازش، وہ خرق عادت صلاحیتیں عطا فرمادے تو اس کی عنایت اور وہ دکھ اور کرب سے نجات دے دے تو اسکی عطا ہے مومن نے عبادت کسی اور مقصد کے لئے نہیں کرنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کیلئے کرنی ہے ورنہ عبادت اپنی روح سے محروم ہو جائے گی اور ایک سوداگری کا روپ دھار لے گی۔

قرآن کریم میں مقصد عبادت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ (1)

1۔ البقرہ 21:2

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔

یعنی عبادت سے تمہارا مقصود صرف تزکیہ قلب اور تطہیر نفوس ہونا چاہیے باقی وہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو کیا عطا کرنا ہے اور کب عطا کرنا ہے

بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود رسم بندہ پروری داند

اس حقیقت سے ذرہ برابر بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ انسان نے سب کچھ اپنے رب سے مانگنا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا کرم انسان کی دستگیری نہ فرمائے تو انسان ایک لمحہ کے لیے بھی جی نہیں سکتا۔ اگر اس کا کرم شامل حال نہ رہے تو آنکھوں کی بصارت چھن جاتی ہے، کانوں کی سماعت مفقود ہو جاتی ہے اور دل کی دھڑکنیں ساکن ہو جاتی ہیں۔ اس کا کرم ہو تو کھلی آنکھیں دیکھتی ہیں، کان سنتے ہیں اور دل دھڑکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ (1)

''فرمائیے! بتلاؤ تو سہی اگر اللہ چھین لے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو تمہیں یہ نعمتیں لوٹا دے۔ دیکھو! ہم کس کس انداز سے توحید کی دلیلیں بیان کرتے ہیں پھر بھی وہ روگردانی کر رہے ہیں''۔

انسان کو سب کچھ اپنے رب سے مانگنا چاہیے اور یہ مانگنا بھی بذات خود عبادت ہے کہ بندہ اپنے رب سے مانگ رہا ہے شاید اسی لئے دعا کو مغز عبادت فرمایا گیا۔

1۔ الانعام 46:6

Marfat.com

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (1)

"دعا مغز عبادت ہے"۔

صرف یہ ہی ایک در ہے جس سے مانگنے سے بندے کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور کسی بادشاہ، سردار اور کسی بھی عزیز سے عزیز تر عزیز و اقارب سے مانگنے سے انسان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔

اور جتنے بھی سہارے ہیں سبک کرتے ہیں
عزت نفس بڑھاتا ہے سہارا تیرا

خدا سے مانگنا اور چیز ہے اور کسی دنیوی مقصد کے حصول کیلئے عبادت کرنا اور چیز ہے۔ اس کا نتیجہ اس وقت واضح ہوگا کہ اگر انسان عبادت کرے اور بالفرض اس کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جائے تو وہ عبادت سے بدظن نہ ہو کیونکہ عبادت کسی اور مقصد کیلئے نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کیلئے ہے اور اگر کوئی مشکل آنے پر وہ عبادت سے بدگماں ہو جائے تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ وہ رب کی عبادت نہیں کر رہا تھا اپنے دنیوی مقصد کیلئے عبادت کو سیڑھی بنا رہا تھا۔ قرآن مجید میں ایک ایسے ہی سوداگر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ (2)

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو ایک طرف ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش آپڑے تو وہ روگردانی کر لیتا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان اٹھا لیتا ہے یہی نقصان کھلا نقصان ہے"۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ جو شخص عبادت خداوند کریم کی محبت کے سبب اور

1۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 476، باب ما جاء فی فضل الدعاء، رقم الحدیث 3371، دار احیاء التراث العربی، بیروت
2۔ الحج 11:22

Marfat.com

اس کی رضا پانے کے لئے نہیں کرتا بلکہ اپنے مفاد کے پیش نظر کرتا ہے۔ اگر اس کا فائدہ ہوتو عبادت کرتا ہے اور اگر فائدہ نہ ہوتو عبادت ترک کر دیتا ہے ایسا شخص عابد نہیں ایک مطلب پرست سوداگر ہے جو سب سے بڑھکر نقصان اٹھانے والا ہے۔

اس آیہ کریمہ کے پس منظر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مدینہ منورہ میں آتا تو اگر اس کی بیوی بیٹا جنتی اور اس کی اونٹنی بچہ جنتی تو وہ کہتا یہ بڑا اچھا دین ہے اگر اس کی بیوی بیٹے کو جنم نہ دیتی اور اس کی اونٹنی بچہ نہ جنتی تو وہ کہتا یہ بہت برا دین ہے۔ اور کچھ لوگ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور جب وہ اپنے شہروں کو لوٹتے۔ اگر بارش ہو جاتی اور سبزہ ہو جاتا تو وہ کہتے یہ بڑا اچھا دین ہے اور اگر اسے خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا اور قحط پڑ جاتا تو وہ کہتے یہ بہت برا دین ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

كَانَ اَحَدُهُمْ اِذَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ أَرْضُ دُوْنِهٖ فَاِنْ صَحَّ بِهَا جِسْمُهٗ وَنَتَجَتْ فَرَسُهٗ مُهْرًا حَسَنًا وَوَلَدَتْ اِمْرَأَتُهٗ غُلَامًا رَضِيَ بِهٖ وَاطْمَأَنَّ اِلَيْهِ وَقَالَ مَا اَصَبْتُ مُنْذُ كُنْتُ عَلٰى دِيْنِىْ هٰذَا اِلَّا خَيْرًا..... فَاِنْ اَصَابَهٗ وَجْعُ الْمَدِيْنَةِ وَوَلَدَتْ اِمْرَأَتُهٗ جَارِيَةً وَتَاَخَّرَتْ عَنْهُ الصَّدَقَةُ اَتَاهُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَصَبْتَ مُنْذُ كُنْتَ عَلٰى دِيْنِكَ هٰذَا اِلَّا شَرًّا وَذٰلِكَ الْفِتْنَةُ(1)

"جب کوئی شخص کسی دوسری جگہ سے مدینہ منورہ میں آتا۔ اگر اس کی صحت ٹھیک ہو جاتی۔ اس کی اونٹنی خوبصورت بچہ جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا۔ تو وہ خوش ہو جاتا، دین سے مطمئن ہو جاتا اور کہتا یہ دین میرے لئے خیر ہی خیر ہے.... اور اگر اسے مدینہ کی آب وہوا سے تکلیف پہنچتی۔ اس کی عورت بچی کو جنم دیتی۔ اس کے مال میں کمی آجاتی تو شیطان اس کے پاس آتا

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج3، ص203، ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر، دارالحدیث، قاہرہ

Marfat.com

تو شیطان کے بہکانے سے وہ آدمی کہتا جب سے میں اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے شر اور مصائب ہی ملے ہیں۔ اس آیت میں فتنہ سے یہی مراد ہے"۔

اس آیہ کریمہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا، اسکی بینائی چلی گئی۔ اس کا مال اور مویشی خسارے میں ڈوب گئے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر کہا میری بیعت توڑ دیجئے آپ نے فرمایا اسلام کو فسخ نہیں کیا جاتا۔ اس نے کہا اس دین میں آنے کے بعد مجھے کوئی خیر نہیں ملی۔ میری بینائی چلی گئی، میرا مال تباہ ہو گیا، میری اولاد چلی گئی۔ آپ نے فرمایا اے یہودی! اسلام لوگوں کی (کھوٹ نکالنے کیلئے انہیں) اس طرح پگھلاتا ہے جس طرح آگ، لوہے، سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کا زنگ اور میل کچیل نکال دیتی ہے اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی"۔ (1)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اپنے مفاد کے حصول پر عبادت کرنا اور نقصان پر عبادت ترک کر دینا۔ ایک ایسی روش ہے جس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل ایمان کا سر تو فائدہ ملنے پر اللہ کے حضور جھکا رہتا ہے اور نقصان پر بھی اسی کے حضور سجدہ ریز رہتا ہے۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا ایک کنیز تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے بے رحم مالک نے ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ ان کی بینائی ختم ہو گئی۔ ایک دن ابوجہل نے اس پاک باز خاتون کو طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ لات وعزیٰ نے تیری آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ انہوں نے فوراً ایمان پرور جواب دیتے ہوئے کہا۔

كَلَّا لَا تَمْلِكُ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى نَفْعًا وَلَا ضَرًّا هٰذَا أَمْرٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَرَبِّيْ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّرُدَّ بَصَرِيْ (2)

"ہرگز نہیں، بخدا! لات وعزیٰ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ تو آسمانی حکم ہے۔ اور میرا رب اس چیز پر قادر ہے کہ وہ میری بینائی لوٹا دے"۔

1۔ اسباب النزول للواحدی، ص 617-618، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج 2، ص 36، محمد بن یوسف الصالحی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

جب صبح ہوئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے تو وہ اسے آخرت کی برکتوں کے علاوہ دنیا کی برکتیں بھی عطا فرماتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کا یہ طریقہ بیان کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے آخرت کی بھلائیاں بھی مانگتے ہیں اور دنیا کی بھی۔ اور وہ کہتے ہیں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرما اور آخرت کی بھی۔ اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ فرما''۔(1)

اور قرآن مجید میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی کہ دنیا کی زیب و زینت تو اصولی طور پر ہے ہی اہل ایمان کیلئے اور کافروں کو تو ان کے توسط سے ملتا ہے اور آخرت میں خالص انہیں کیلئے ہوں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ هِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا خَالِصَةً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۲﴾ (2)

''آپ فرمایئے اللہ کی (پیدا کی ہوئی) زینت کو کس نے حرام ٹھہرایا ہے وہ جسے اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کی بھی، فرمایئے یہ سب کچھ دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہے۔ اور بروز قیامت تو خالص یہی اس کے مالک ہوں گے۔ ہم اسی علم رکھنے والی قوم کیلئے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں''۔

جو رب کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اسے آخرت کی برکتیں بھی عطا فرماتا ہے اور دنیا کی حسنات بھی اس کی جھولی میں آگرتی ہیں۔

1۔ البقرہ 201:2 2۔ الاعراف 32:7

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

(غالب)

قرآن مجید میں اس چیز کو بھی بڑی تفصیل سے بیان فرمایا گیا کہ اللہ کی بندگی انسان پر اخروی سعادتوں کے علاوہ دنیوی سعادتوں کے بھی دروازے کھول دیتی ہے۔ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

"اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں ان کے اعمال کے سبب گرفت میں لے لیا"۔(1)

یعنی تقویٰ اختیار کرنے سے ان کے لیے زمین بھی اپنے خزانے اگلتی اور آسمان بھی اپنی برکتوں کی برکھا ان پہ برساتا لیکن ان کے گناہوں کے سبب وہ ان برکات سے محروم کر دیئے گئے۔ایک اور بستی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ (2)

"اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جسے امن واطمینان حاصل تھا۔ انہیں ان کا رزق ہر طرف سے فراغت کے ساتھ پہنچ رہا تھا۔تو وہاں کے مکینوں نے اللہ کی نعمتوں سے انکار کیا۔تو اللہ نے ان کرتوتوں کے سبب انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا"۔

1۔الاعراف 96:7 2۔النحل 112:16

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اسے وہاں سے رزق دے گا کہ یہاں اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا ہوگا ارشاد ہوتا ہے۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (1)

''جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لیے راہ نکالے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا ہوگا اور جو اللہ پہ بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر کام کیلئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے''۔

یعنی تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان کو وہاں سے رزق دیتا ہے یہاں سے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں اور اللہ سے بڑھ کر وعدے کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ انسان کے نزدیک عبادت کرنے کا مقصد کیا ہونا چاہیے کیا کشائش رزق وغیرہ یا کچھ اور؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بندہ نیکی کے راستے پر گامزن ہے لیکن اس کی زندگی غربت وافلاس کا پیکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

یہاں تک مقصد عبادت کا تعلق ہے تو اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرنی چاہیے یہ چیزیں عبادت کا مقصود نہ ہو یہ انسان کو غیر ارادی طور پر بھی مل ہی جائیں گی جیسے کسی نے مکان بنایا اور اس کی کھڑکی رکھی تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے کھڑکی کیوں رکھی تو اس نے کہا تازہ ہوا آنے کے لیے۔ اسے کہا گیا کہ اگر تو یہ نیت کرتا کہ کھڑکی اس لیے رکھ رہا ہوں تا کہ اذان کی آواز اندر آجائے تو تیرا

1۔ الطلاق 65:2-3

Marfat.com

کھڑکی رکھنا بھی عبادت ہو جاتا۔

چڑیوں کی طرح دانے پہ گرتا ہے کس لیے
پرواز رکھ بلند کہ بن جائے تو عقاب

ایسے ہی عبادت صرف اللہ کی محبت میں ڈوب کر کی جائے تو وہ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو کیا دینا ہے اور کیا نہیں دینا جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نماز اس لیے نہیں پڑھتا کہ میں یونہی نماز پڑھنا شروع کرتا ہوں میرا کوئی نقصان ہو جاتا ہے دراصل وہ عبادت نہیں کر رہا کوئی سودا بازی کرنا چاہتا ہے اور وہ حقیقت میں عبادت سے ناواقف ہے ورنہ اسے اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ عبادت صرف اپنے رب کو راضی کرنے کیلئے کرنی ہے۔ اس کا دنیوی نفع ونقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیا مکان بنا کہ اس میں قرآن خوانی اس لیے نہ کی جائے کہ مکان پر کوئی آفت نہ آئے بلکہ اس لیے کی جائے کہ جس رب نے مجھے یہ نعمت دی ہے اس کے پاک نام کی مالا جپی جائے۔

اول تو عبادت سے نقصان نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی گزرا ہے اور اگر بالفرض کوئی بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا نقصان ہو رہا ہے اسے چاہیے کہ عبادت خدا کو راضی کرنے کیلئے کرے اور نفع ونقصان کا معاملہ اسی کی ذات پر چھوڑ دے عقل کل اپنے آپ کو نہ سمجھے بلکہ ذات باری کو سمجھے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ ایک نیک اور پارسا آدمی بھی بسا اوقات غربت وافلاس اور مصائب کے شکنجوں میں جکڑا رہتا ہے تو زمین وآسمان کی وہ برکتیں کہاں ہیں جو اہل تقویٰ پر نازل ہوتی ہیں۔

اس سوال کے جواب میں دو حقیقتیں کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیں۔ ایک یہ کہ بسا اوقات ہم کسی عظیم انسان کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غربت وافلاس کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے جبکہ دراصل وہ ان حالات میں اضطراری طور پر گرفتار نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں اختیاری طور پر قبول کرتا ہے۔ یعنی اس کا فقر اضطراری نہیں اختیاری ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

Marfat.com

عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّۃَ ذَھَبًا قُلْتُ لَا یَا رَبِّ وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَاَجُوْعُ یَوْمًا۔ فَاِذَا اَجُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْکَ وَذَکَرْتُکَ فَاِذَا شَبِعْتُ شَکَرْتُکَ وَحَمِدْتُکَ (1)

''میرے رب نے مجھے پیش کش کی کہ وہ میرے لیے مکہ کی پہاڑیوں کو سونا بنا دے۔ میں نے عرض کیا۔نہیں میرے پروردگار میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دن سیر ہو کے کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا رہوں تو تیری بارگاہ میں عاجزی کروں تیری طرف رجوع کروں اور تیرا ذکر کروں اور جب سیر ہو جاؤں تو تیرا شکر کروں اور تیری حمد کروں''۔

فقر اختیاری اتنا بڑا کمال ہوتا ہے کہ جس کا تصور کرنا ہم جیسے کوتاہ نظروں اور کج فکروں کیلئے ناممکن ہوتا ہے۔

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
باب وخال وخط ورنگ چہ حاجت روئے زیبا را

(اقبالؒ)

انبیاء کرام، اولیاء عظام اور مقربین الٰہی کا فقر اضطراری نہیں اختیاری ہوتا ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کی برکتیں پڑھ کے اور تقویٰ کے ثمرات جان کر راہ تقوی پر چل پڑے کہ میری مشکلات بھی آسان ہوں گی اور میرے رزق میں کثرت بھی ہوگی اور پھر وہ ان برکتوں سے محروم رہے تو اس انسان نے ایک فکری خطا کھائی ہے اس کی غلطی اس تمثیل سے واضح ہے کہ ایک شخص کسی محفل ذکر میں چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے بدن سے خوشبو آنے لگی۔ لوگوں نے پوچھا تمہارے بدن سے خوشبو کیوں آرہی ہے کہنے لگا میں ذکر کی محفل میں گیا تھا کہنے لگے ہم جاتے ہیں تا کہ ہمارے بدنوں سے بھی خوشبو آئے۔ وہ بھی چلے گئے لیکن ان کے بدنوں سے خوشبو نہ آئی انہوں نے کہا ہمارے جسموں سے خوشبو نہیں

1۔ سنن الترمذی، ج2، ص60، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیہ، ابواب الزہد، سعید کمپنی، کراچی

Marfat.com

آئی۔ تو اس نے کہا میرے بدن سے خوشبو اس لئے آئی کہ میں خوشبو کے لیے محفل ذکر میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے کریم رب کو یاد کرنے کیلئے گیا تھا اور تم ذکر کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ خوشبو کیلئے گئے تھے۔ خوشبو اس کے بدن سے آئے گی جو ذکر کے لئے جائے گا۔

عبادت کی برکتیں اس انسان کو ضرور ملیں گی جو عبادت کو عبادت سمجھ کے کرے گا اور وہ بندہ محروم رہے گا جو عبادت کو دنیوی مفاد کیلئے اور تجارت سمجھ کر کرے گا۔ اس امت میں عبادت الٰہی کا بہترین نمونہ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے قائم کیا برکات کا اندازہ خود لگالیں کہ بکریاں چرانے والے صوبوں کے گورنر بنے اور نان شبینہ سے محروم اتنے قوی ہو گئے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے گئے۔ اللہ کے وعدے سچ ہیں لیکن اکثر لوگ اس پر یقین نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کو عبادت تجارت کی نیت سے نہیں صرف اللہ کی محبت میں ڈوب کر ادا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو کیسے نوازنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کی علامت یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی پریشانیوں کو دور کر دیا ہے۔ پریشانیاں تو اس کی بھی دور ہو سکتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی یاد کی توفیق دے دے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک شخص رات کو ذکر حق میں مشغول تھا اور اس کی زبان پر اللہ کا ورد جاری تھا۔ شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہوئے کہا کہ اے کم بخت تو کب تک اللہ اللہ کی رٹ لگائے جائے گا ادھر سے تو کوئی جواب ملتا نہیں ہے اور تو ہے کہ مسلسل اسی کو یاد کر رہا ہے شیطان کے اس وسوسہ نے اس شخص کو بدگمان کر دیا اس نے ذکر چھوڑا اور سو گیا۔ عالم خواب میں اس کے پاس حضرت خضر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہ تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اس نے کہا اس لیے کہ میں تو اللہ کو یاد کرتا ہوں لیکن مجھے ادھر سے جواب نہیں ملتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بارگاہ الٰہی سے مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تیرے پاس جاؤں

Marfat.com

اور تجھے بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ہمارا ذکر کرتا ہے وہی تو ہمارا جواب ہے۔ تیرے دل میں جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا ہی تو پیدا کیا ہوا ہے۔ اور یہ ہمارا ہی کام ہے کہ تجھے اپنی یاد میں مشغول کر رکھا ہے تیرے ہر ''یا اللہ'' کہنے میری سو لبیکیں پوشیدہ ہیں۔

مولانا روم اسی مفہوم کو واضح فرماتے ہوئے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ ایک آقا اپنے غلام کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں نماز کا وقت ہو گیا تو غلام کہنے لگا مجھے نماز پڑھنے دیجئے۔ آقا نے کہا پڑھ لو میں باہر کھڑا ہو کر تمہارا انتظار کرتا ہوں نماز ختم ہوئی لوگ باہر آ گئے وہ غلام نہ آیا اس نے آواز دی تو غلام نے کہا ابھی آتا ہوں۔ پھر تھوڑی سے دیر گزر گئی پھر اس نے آواز دی اس نے کہا آتا ہوں آخر تنگ آ کر آقا کہنے لگا کہ سب لوگ مسجد سے نکل گئے ہیں آخر تجھے کون مسجد سے باہر نہیں آنے دیتا؟ تو غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا! جو تجھے مسجد کے اندر نہیں آنے دیتا وہی مجھے مسجد سے باہر نہیں آنے دیتا۔

مولانا روم اس حکایت سے یہ واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی توفیق ملی ہے وہ خوش نصیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گھر بلایا ہے اور اسے اپنا درد عطا فرمایا ہے۔

محبت کیلئے کچھ دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

اور جو راہِ عبادت سے دور ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھے کہ میرے برے اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ مجھے عبادت کرنے ہی نہیں دیتا۔

اللہ کی عبادت سوداگری نہیں اظہار بندگی ہے وہ اپنی بارگاہ میں جھکنے والوں کو دونوں جہانوں کی عظمتیں ضرور دیتا ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ بالفرض عبادت شروع کرنے سے میرا نقصان ہو گیا ہے تو اسے پھر بھی عبادت جاری رکھنی چاہیے اور نقصان برداشت کرنا چاہیے کیونکہ عبادت اپنے مفاد کیلئے نہیں اللہ کی عظمتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے کیلئے کرنی ہے یہ اظہار عبدیت ہے نہ تجارت ہے نہ سوداگری۔

Marfat.com

دین راہبر ہے، حصول مقصد کی سیڑھی نہیں

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ

(البقرہ 2:85)

"کیا تم بعض کتاب کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو"۔

Marfat.com

غبار راہ گزر ہیں کیمیا پر ناز جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

ایک دانشور نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے دین پر بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے اس کی یہ بات زہر سے بڑھ کر بری لگی میں نے اس سے کہا یہ آپ کیا گھٹیا اور دین سے محروم کرنے والی بات کر رہے ہو؟ تم نے دین پہ کیا احسان کیا ہے؟ کہنے لگا میں نے دین پہ یہ احسان کیا ہے کہ "میں نے دنیوی مقصد کے حصول کیلئے کبھی دین کو سیڑھی نہیں بنایا"۔

آپ اس شخص کے الفاظ کے چناؤ سے اختلاف کرسکتے۔ اس کے انداز بیاں کو رد کرسکتے ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ دین پہ کوئی احسان نہیں کرسکتا دین سے وابستہ لوگ دین کو کچھ نہیں دیتے دین انہیں بہت کچھ دیتا ہے۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود یہ کہنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہوگا کہ جس شخص نے دنیوی مقصد کے حصول کے لیے دین کو سیڑھی نہیں بنایا اس نے دین کی تعظیم وتوقیر کو انتہا پر پہنچا دیا ہے۔

دین انسان کے لیے راہبر ہے، مقتدا ہے اور امام ہے۔ حصول مقصد کی سیڑھی نہیں ہے۔ عظمت دین کا تقاضا یہ ہے کہ سفر زیست کے کسی بھی مرحلہ پر انسان دین کو اپنا راہبر و مقتدا بنائے۔ مثلاً اگر ایک کام کرنے کو اس کا دل بڑی شدت سے بیتاب ہے اور اسے اس کام کے کرنے کے مکمل مواقع اور اسباب بھی فراہم ہیں لیکن دین اسے اس کام سے روکتا ہے تو اسے اپنے جذبات کو دین پہ قربان کرنا چاہیے اپنی خواہشات کو دین کے سامنے سرنگوں کردینا چاہیے اگر انسان دین کا وہ حصہ تو مکمل طور پر ترک کردے جس پر عمل کرنے سے اسے اپنے مفاد، خواہشات یا رسم ورواج کی قربانی دینا پڑے لیکن اس حصہ کو حرز جان بنالے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہے۔ تو دراصل ایسا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اپنے مفادات کے حصول کیلیے دین کو سیڑھی بنانے کا جرم کر رہا ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو ایک تمثیل سے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین کا ایک حکم ہے کہ حرام خوری سے مکمل اجتناب کرو اور دوسرا حکم ہے کہ ہر شخص کو اس کے باپ کے ورثہ میں سے اس کا معین حصہ ملے گا۔ اب ایک شخص دین کے ہر حکم کو سر آنکھوں پہ رکھتے ہوئے حرام خوری

Marfat.com

سے مکمل اجتناب کرتا ہے حرام کو چھوڑتے ہوئے اگر اسے سخت سے سخت حالات سے بھی گزرنا پڑے تو وہ گزرتا ہے اسے دوست احباب کے طعنے سننے پڑیں تو سنتا ہے۔ فاقہ کشی بھی کرنی پڑھ جائے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ اور وہ شخص اپنے باپ کے ورثہ میں سے اپنے معین حصہ کا مطالبہ کرتا ہے تو کہا جائے گا دین کے ایک حصہ پر عمل کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور دوسرا شخص ایسا ہے۔ جو حرام خوری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ حلال و حرام کے فرق کو تو ہماتی قسم کی چیزیں سمجھتا ہے۔ حلت و حرمت کے کسی فرق کے بغیر جلب زر میں مشغول رہتا ہے۔ جب وہ شخص کہتا ہے کہ دین کا حکم ہے کہ مجھے میرے باپ کے ورثہ میں ایک معین حصہ ملنا چاہیے تو دراصل اس شخص کو دین سے غرض نہیں ہے یہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے دین کو سیڑھی بنا رہا ہے اس کے منہ سے دین کا حوالہ دین کا ایک بھیانک مذاق ہے۔

دین کا حکم ہے پڑوسی سے حسن سلوک کرو اور ہمیشہ سچ بولو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ ایک شخص نہ پڑوسی سے حسن سلوک کا خیال ہے۔ نہ اسے صداقت کی آبرو کا پاس ہے۔ نہ وہ نماز قائم کرتا ہے نہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اسے دین کے ایسے اور ان جیسے احکامات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن جب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے دین یاد آجاتا ہے اور وہ سینہ تان کر کہتا ہے کہ تم مجھے دوسری شادی سے کیسے روک سکتے ہو جبکہ اسلام مجھے اس کی اجازت دیتا ہے یہ شخص اسلام کو راہبر نہیں بنا رہا بلکہ اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے اسلام کو سیڑھی بنا رہا ہے۔

ایک شخص کا ایک مذہبی پس منظر ہے وہ کوئی معزز عالم دین ہے یا کسی شیخ طریقت کی شہرت سے متعارف ہے اس کا کسی کے ساتھ کوئی ذاتی جھگڑا ہے اس کا دشمن اس پر حملہ آور ہو کے اس کا نقصان کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں میں تقدس بھری آواز سے اعلان کرتا ہے کہ یہ دراصل فلاں مخالف مسلک کی سازش ہے انھوں نے ہمارے مسلک کو نقصان پہنچایا ہے اور ہمارے مسلک کا ایک ایک فرد اپنے مسلک کے تحفظ کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دے گا۔ اس طرح وہ ذاتی دشمنی کا بدلہ لینے

Marfat.com

کیلئے دین کو استعمال کر رہا ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کیلئے دین کو سیڑھی بنانے کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

مذہبی عقیدتیں بہت گہری اور نازک ہوتی ہیں جو شخص ان عقیدتوں کو کسی بھی طرح اپنے ذاتی مفادات کیلئے استعمال کرتا ہے وہی دین کو سیڑھی بنانے والا جگادری ہے۔

دین انسان کیلئے اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک ضابطۂ حیات ہے۔ جسے مکمل طور پر اپنانے میں ہی انسان کی دارین میں سعادت مندی مضمر ہوتی ہے۔ اس کا صرف اتنا حصہ ہی قابل عمل نہیں ہوتا ہے جس میں انسان کا کوئی نقصان نہ ہو اور اسے کوئی قربانی نہ دینی پڑے۔ جس شخص نے مکمل طور پر دین کو اپنا رہبر بنالیا اسی نے اس مضبوط رسی کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔ دین کے اس حصہ پر عمل کرنا جو انسان کی خواہشات کے مطابق ہو اور اس حصہ کو چھوڑ دینا جو خواہشات کے خلاف ہو۔ ایک ایسا وطیرہ ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں یہود کے جن جرائم کو ان کی ذلتوں کا سبب قرار دیا ہے ان میں سے ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ دین کے اس حصہ کو مانتے تھے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا تھا اور دوسرے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس جرم پر جو سزا قرآن کریم نے بیان فرمائی اس سے پہلے اس جرم کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں گے۔ نسل در نسل یہ عہد ان یہودیوں تک پہنچا جو مدینہ میں آباد تھے۔ مدینہ کے مشرکین کے دو قبیلے تھے جو نہ کسی شریعت کے پابند تھے اور نہ ہی کسی چیز کی حلت وحرمت کے قائل تھے یہ دونوں قبیلے ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج۔ مدینہ میں رہنے والے یہودی بھی دو حصوں میں آباد تھے۔ بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے۔ اور بنو نضیر اور بنو قریظہ، اوس کے حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تو بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کا

ساتھ دیتے۔ اور جنگ میں یہود ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے اور انہیں گھروں سے بھی نکالتے۔ بنو قینقاع کے جو لوگ اوس کی قید میں ہوتے ان کو بنو نضیر اور بنو قریظہ فدیہ دے کر چھڑا لیتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم فریق مخالف کے قیدیوں کو فدیہ دے کر کیوں چھڑا رہے ہو؟ تو وہ کہتے ہمیں تورات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں پھر ان سے کہا جاتا کہ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور گھروں سے نہ نکالو تو تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہتے کہ ہم اپنے حلیف سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرتے ہیں، یعنی مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں"۔(1)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دین کے اس حصہ پر عمل نہیں کرتے تھے جس میں ان کی دوستی خراب ہونے کا خدشہ ہو۔ اور قیدیوں کو چھڑانے میں اپنی بڑائی بھی ثابت ہوتی تھی اور دشمن پر احسان بھی ہو جاتا تھا۔ اس لیے وہ دین کے اس حصہ پر عمل کر لیتے تھے۔ یا یوں کہیے اپنی بڑائی ثابت کرنے کی خواہش کی تکمیل کیلئے دین کا سہارا لیتے اور دین کو سیڑھی بناتے ان کے اس جرم کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ (2)

"کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو لوگ یہ کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی

1۔ جامع البیان، ج1، ص314، امام محمد بن جریر طبری، دار المعرفۃ، بیروت (1409ھ)
2۔ البقرہ 2:85-86

زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن اس سے بھی شدید عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں۔ اور اللہ تمہارے اعمال بے غافل نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا۔ سو نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مدد کیے جائیں گے"۔

یعنی جس بندے کا دین کے ساتھ بس ایسا ہی تعلق ہو کہ اس نے دین کو اپنا راہبر نہ بنایا ہو اور دین کیلئے سب کچھ لٹانے کے جذبوں سے محروم ہو تو ایسا شخص دراصل اپنی آخرت تباہ کر کے دنیا بچانے کی سعی ناتمام کر رہا ہوتا ہے۔ دین کو حصول مقصد کیلئے سیڑھی بنانے والا دنیا میں بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اور دین کو حصول مقصد کیلئے سیڑھی بنانا اللہ کے نزدیک شدید ترین جرائم میں شمار ہوتا ہے۔ بندہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ جس دین سے ظاہری وابستگی اسے اتنی عزت وعظمت دے رہی ہے اس دین سے حقیقی وابستگی اس کے لیے کتنی سعادتوں کا ذریعہ ہو گی؟

ایک مرتبہ اورنگ زیب عالم گیر کے دربار میں ایک بہروپیا حاضر ہوا کہنے لگا۔ جہاں پناہ! میں بہروپیا ہوں مختلف بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہوں۔ اور لوگوں سے انعام وصول کرتا ہوں، اگر اجازت ہو تو کبھی اپنے فن کا مظاہرہ کروں۔ اورنگ زیب عالمگیر فن کا قدردان تھا۔ اس نے کہا ہاں! اپنے فن کا اظہار کیجئے اور تمہیں پورے پورے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

دن گزرتے گئے، لمحے بیتتے گئے۔ ایک مرتبہ عالمگیر بیمار ہوا اور بیماری شدت پکڑ گئی۔ علماء ومشائخ ان کی صحت یابی کیلئے دعاؤں میں مشغول ہو گئے اور حکماء واطباء شہنشاہ معظم کے علاج معالجہ میں مگن ہو گئے آخر ایک دن اللہ تعالیٰ نے اورنگ زیب عالمگیر کو صحت عطا فرمائی۔ فرحت وانبساط کا ماحول پیدا ہو گیا ہر طرف خوشی ومسرت کے شادیانے بجنے لگے۔

ایران کا ایک طبیب حاذق اپنے متعدد شاگردوں اور ادویات کے ایک ذخیرہ کے ساتھ بادشاہ کا علاج کرنے کیلئے آیا بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کی بیماری کی خبر ایران بھی

پہنچ گئی تھی جسے سن کر محض جذبہ خیر سگالی سے ایرانی طبیب علاج کیلئے حاضر ہوا ہے بادشاہ نے کہا انہیں دربار میں پیش کیا جائے حکیم صاحب کے ساتھ بہت سے شاگرد تھے ان کے سروں پر دواؤں کے صندوق تھے۔ حکیم صاحب حکمائے یونان کی دستار و عبا سے مزین تھے۔ حکمت و دانائی ان کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔ شہنشاہ معظم نے حکیم صاحب کی طرف دیکھا یونہی حکیم صاحب پابوسی کیلئے آگے بڑھے۔ شہنشاہ معظم نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہم نے تمہیں پہچان لیا''۔

یہ جواب سنتے ہی بہروپیا شرم سے پانی پانی ہو گیا شکستہ دل اور بوجھل قدموں سے دربار سے نکل گیا کیونکہ اس کی ساری محنت رائیگاں چلی گئی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ لوگ بھول گئے کہ کوئی بہروپیا بھی آیا تھا عیدالفطر کا خوشیوں بھرا موقع تھا ہر طرف مسرتوں کے شادیانے بج رہے تھے۔ مختلف ممالک سے امراء و والیان ریاست کی طرف سے شہنشاہ معظم کو تحائف پیش کیے جا رہے تھے۔ والیان ریاست اپنی اپنی کرسیوں پر ایک قطار میں بیٹھے تھے۔ اور باری باری شہنشاہ کے حضور اپنی نذر پیش کر رہے تھے۔ آخر میں ترکستان کا ایک جوہری اٹھا اس نے شہنشاہ معظم کے حضور ایک چھوٹا سا صندوق پیش کیا اور عرض کرنے لگا۔

جہاں پناہ! اس میں بدخشاں کا وہ شب چراغ ہے جس نے مریخ کی خنک چاندنی میں پرورش پائی ہے تب کہیں یہ آپ کے حضور پیش کرنے کے قابل ہوا۔ بزم فلک کا پروردہ یہ نایاب نگینہ اس وقت روئے زمین پر یکتا و بے مثال ہے۔ جیسے جہاں پناہ کی سطوتِ شاہانہ بے مثال ہے ایسے ہی یہ بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ شہنشاہ معظم! یہ شبہائے تاریک روشنی، دیدہ عقل کا چراغ اور چمنستان آرزو کا لالہ دلربا ہے۔ آج فرمانروائے ہند کے حضور یہ تحفہ نایاب پیش کرتے ہوئے میری سعادتوں اور شادمانیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ جوہری صندوق بادشاہ کے قدموں میں رکھ کر یونہی واپس پلٹنے لگا۔ شہنشاہ معظم نے زیر لب تبسم فرماتے ہوئے فرمایا ''اس بار بھی ہم نے تمہیں پہچان لیا''۔

Marfat.com

یہ الفاظ تیر کی طرح اس کا دل چیر گئے۔اسے اپنی دنیا اجڑی اجڑی محسوس ہونے لگی۔اس بار بھی اس کی ساری محنت رائیگاں چلی گئی تھی۔اس کی لمبی منصوبہ بندی اور بے تحاشا جدوجہد برباد ہو گئی تھی۔وہ اٹھا،ٹوٹے دل اور بوجھل قدموں سے دربار سے نکل گیا۔

وقت کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا۔سال مہینوں میں، مہینے ہفتوں میں، ہفتے دنوں میں اور دن لمحات کا روپ دھار کے فنا کے گھاٹ اترتے گئے۔بہروپے کا قصہ بہت پرانا ہو گیا یہ کہانی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی۔

شہنشاہ معظم تک خبر پہنچی کہ دکن کے راجاؤں نے بغاوت کر دی ہے اور خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے اور بہت سے لوگ ان سے ملتے جا رہے ہیں۔بادشاہ نے اس مہم کو کیفر کردار تک پہنچانے کا منصوبہ بنایا۔چونکہ بغاوت بڑی شدید تھی اس لیے شہنشاہ معظم نے اس لشکر کی قیادت بذات خود کرنے کا فیصلہ کیا۔

معین تاریخ پر اورنگ زیب عالمگیر ایک لشکر جرار کے ساتھ اس بغاوت کو کچلنے کیلئے روانہ ہوا۔بادشاہ معظم کو اولیاء اللہ اور درویشوں سے خاص عقیدت تھی راستے میں جہاں بھی کوئی دربار آتا یا کسی درویش کا پتہ چلتا بادشاہ اس کے حضور حاضر ہوتا نذرانہ پیش کرتا اور مہم میں کامیابی کیلئے دعا کی التماس کرتا۔

ایک پہاڑی راستے سے گزرتے ہوئے لوگوں کا ایک جم غفیر خیمہ زن دیکھا۔بادشاہ کو تعجب ہوا۔دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ پہاڑ کی کھوہ میں ایک درویش خدامست جلوہ افروز ہے۔جمال یار کے جلوؤں میں یوں مگن کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں آنکھیں بند کیے عالم استغراق میں گم رہتے ہیں۔بادشاہ نے ان کی زیارت کا پروگرام بنایا چونکہ رات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے اس لیے وہاں پڑاؤ کرنے کا فیصلہ ہوا تاکہ صبح اس مرد درویش کی زیارت سے مشرف ہو جائے۔

صبح شہنشاہ معظم نے آداب حاضری بجالاتے ہوئے غسل کیا نئے کپڑے زیب تن کیے اور زیارت کیلئے چل پڑے بادشاہ کے اعزاز میں راستے کو ہموار کر دیا گیا۔کافوری

Marfat.com

• شمعوں سے اس تاریک غار کو منور و تاباں کر دیا گیا جہاں وہ درویش جلوہ افروز تھے بادشاہ معظم دھانے پر پہنچے تو غلاموں نے بتایا ابھی کچھ توقف کریں حضور عالم استغراق میں ہیں۔ چند لمحوں بعد حاضری کی اجازت مل گئی بادشاہ عقیدت و احترام کا مجسمہ بنے حاضر خدمت ہوا اپنی مہم کی کامیابی کیلئے دعا کی التماس کی لیکن وہ درویش جمال یار کے جلووں میں اس طرح مگن تھا کہ اس نے کوئی توجہ نہ کی بادشاہ نے زیارت کو ہی غنیمت جانا اور واپسی کا قصد کیا۔ اشرفیوں کی ایک تھیلی نذرانہ پیش کیا۔ یونہی شہنشاہ معظم دست بوسی کیلئے جھکے۔ اس درویش نے دونوں ہاتھوں سے بادشاہ کے قدم تھام لیے کہنے لگا "جہاں پناہ! میں درویش نہیں ہوں میں وہی بہروپیا ہوں جسے آپ نے دو مرتبہ شکست دی تھی یہ میرے فن کا نقطۂ عروج تھا"۔

اس کے بعد اس حکایت کو دو طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور دونوں ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں ایک یہ کہ بادشاہ نے اسے کہا تم نے فن کو انتہا تک پہنچا دیا ہم فن کی قدر دانی خوب جانتے ہیں۔ یہ اشرفیوں کی تھیلی لو۔ اور اس کا مکمل انعام آپ کو اس وقت ملے گا جب ہم مہم سے فارغ ہو کر دہلی پہنچیں گے میں قلعہ معلیٰ دہلی میں تمہارا شدت سے انتظار کروں گا۔

بہروپیے نے یہ سن کر بادشاہ سے دست بستہ عرض کی کہ جہاں پناہ! مجھے انعام نہیں چاہیئے۔ میں حقیقت میں درویش نہیں بنا تھا۔ میرے مَن میں میرے رب کی یاد نے ڈیرے نہیں جمائے تھے صرف میں نے اللہ والوں کا بھیس بدلا تھا۔ ان کی نقل کی تھی۔ تو شہنشاہِ معظم کا سر عقیدت سے میرے سامنے جھک گیا اور اگر میں حقیقت میں اللہ کے در کا فقیر بن جاؤں اللہ کی محبت اپنے من میں بسالوں تو پھر میرا کریم رب مجھے کیا کیا عطا فرمائے گا! اس نے یہ کہا اپنا دامن چاک کیا اور اللہ اکبر کا وجد انگیز نعرہ لگاتے ہوئے اولیاء اللہ میں شامل ہو گیا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

(اقبالؒ)

Marfat.com

اس حکایت کا یہ انجام بھی اپنے دامن میں لاکھوں عبرتیں ونصائح رکھتا ہے۔ جو شخص اپنے دنیوی مقصد کے حصول کیلئے دین کو سیڑھی بناتا ہے وہ سوچے کہ جب دین کے حوالے سے مجھے وہ مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں جن کا حصول بادی النظر میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے جبکہ میرے دل میں دین نہیں اترا۔ میرے من کی دنیا اپنے پاک رب کی حسین یادوں سے آباد نہیں ہوئی۔ تو اگر میں حقیقت میں درِ مولیٰ کا فقیر بن جاؤں۔ اور تمام تر حقیقتوں اور مچلتے جذبوں کے ساتھ منزل محبوب کا مسافر بن جاؤں تو پھر میرا رب مجھ پہ کیا کیا کرم فرمائے گا! مجھے کن کن عنایات سے نوازے گا! اور میری جھولی میں کون کون سی رحمتیں ڈال دے گا!

غبار آلود ہیں لیکن حقارت سے نہ دیکھ ان کو
کہ ان کی ٹھوکروں سے سلطنت بنتی بگڑتی ہے

اس حکایت کا دوسرا انجام یہ بتایا گیا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کے لیے اس طویل حکایت کو یہاں درج کیا گیا کہ جب اس بہروپیے نے اپنی حقیقت واضح کر دی تو بادشاہ کو بہت سخت غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ اس بہروپئے کو پکڑو اور اس کا سرتن سے جدا کر دو اس نے اگر مجھے دھوکا دینا ہی تھا تو کسی اور روپ میں دیتا اس کا جرم ناقابل معافی ہے کیونکہ اس نے مجھے دین کے نام پہ دھوکہ دیا ہے؟ یعنی اس نے مجھ سے انعام وصول کرنے کیلئے دین کو سیڑھی بنایا ہے۔

جو بھی شخص اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کسی ولی کا روپ دھارے ہوئے ہے کسی عالم کی شکل میں علم وفضل بکھیر رہا ہے اس کا جرم ناقابل معافی ہے۔ کیونکہ اس نے دین کے نام پہ دھوکا دیا ہے۔ دین کو اپنے مقصد کے حصول کیلئے سیڑھی بنایا ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔

ایک مرتبہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کسی تاجر سے کوئی چیز خریدنی تھی وہ تاجر آپ کا بڑا عقیدت مند تھا آپ نے پوچھا یہ چیز کتنے کی ہے کہنے لگا حضور! عام لوگوں کے لیے اتنے کی اور آپ کے لیے بہت سستی، صرف اتنے کی آپ نے دریافت فرمایا یہ کیوں؟ کہنے لگا

Marfat.com

آپ ہمارے امام ہیں مجھے آپ سے بڑی عقیدت ہے آپ نے فرمایا نہیں ہم دین سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے۔ دین کو دنیوی مفاد کے حصول کا ذریعہ نہیں بناتے۔ جتنے میں یہ چیز اوروں کو دیتے ہو اتنے میں ہی مجھے بھی دو۔ یہ رویہ ان عظیم لوگوں کا ہوتا ہے جو دین کو راہبر بناتے ہیں حصول مقصد کے لئے سیڑھی نہیں بناتے اور یہی لوگ وقت کے جنید رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں۔

اور جو لوگ دین کے نام سے جلب زر کا مکروہ دھندہ کرتے ہیں۔ دین کے نام پہ لیا گیا پیسہ اپنے تعیشات اور سیاسیات پر برباد کر دیتے ہیں۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل میں دین کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ دین کے مجرم ہیں کہ انہوں نے دین کو اپنے مقصد حاصل کرنے کے لیے سیڑھی بنایا ہے۔ دین زندگی کے ہر قدم پر خدائی ہدایت کا نام ہے حصول مقصد کیلئے سیڑھی نہیں ہے۔

؎ گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں

Marfat.com

عقل کی زکوٰۃ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرۃ 3:2)

''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا وہ اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں''۔

Marfat.com

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

☆☆☆☆☆

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

Marfat.com

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ

''ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور عقل کی زکوٰۃ بیوقوفوں کی باتوں پر تحمل کا اظہار کرنا ہے''۔

زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمت کا شکرانہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مال اسباب عطا فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے جذبوں سے لبریز ہو کر ان میں سے اپنے پاک رب کے پاک نام پر لٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتوں میں سے عقل و دانش ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ عقل سلیم ہی معرفت الٰہی کا ذریعہ بنتی ہے اور احکام الٰہی کی تعمیل میں انسان کیلئے شرح صدر کی نعمت کا راستہ کشادہ کرتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انسان کو دعوت غور و فکر دی گئی کہ وہ اپنی عقل و دانش سے کام لے۔ اور خدائی میں خدا کے بکھرے ہوئے جلووں کا مشاہدہ کرے۔

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہگذر میں نقش کف پائے یار دیکھ

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اب ظاہر ہے عقل کوئی مادی چیز تو نہیں ہے کہ انسان اس کا ایک مخصوص حصہ راہ خدا میں قربان کر دے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسی حقیقت کو بیان فرماتے ہیں کہ نعمت عقل کی زکوٰۃ یہ ہے کہ انسان بیوقوفوں کی باتوں کو برداشت کرے۔ ان کی احمقانہ باتوں پر اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہر کرے اس کا یہ عجز و انکسار ہی اس کے بڑے پن کی علامت ہوگا۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

یہ بات ویسے بھی بڑی عجیب لگتی ہے کہ ایک انسان کے متعلق کوئی یہ بھی کہے کہ وہ

Marfat.com

بیوقوف ہے، کم عقل ہے اور جاہل ہے اور اس کی ہر بات کا تر کی بہ تر کی جواب دینا بھی اپنے اوپر فرض عین سمجھے۔ کیونکہ بیوقوفی یا حماقت کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے کہ جس کی گٹھری باندھ کے اس نے اپنے سر پہ اٹھا رکھی ہے یا اس کے ماتھے پہ لکھا ہے کہ یہ احمق یا بیوقوف ہے ظاہر ہے اس کی باتیں یا اعمال ہی اس کی حماقت یا بیوقوفی کا مظہر ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے آپ کو عقل و دانش کا ہمالہ تو سمجھے لیکن بیوقوف کی باتوں کا تر کی بہ تر کی جواب دینا اپنے اوپر لازم سمجھے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اپنی عزت و شرافت کا معیار بنائے تو کیا یہ اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور حماقت کا مظاہرہ تو نہیں کر رہا؟

اور اگر ایک اینٹ کے جواب میں دو پتھر مارنے کی روش ہی بہادری اور طاقت کا مظاہرہ سمجھا جانے لگا۔ پھر تو تمام راستے اینٹوں اور پتھروں سے ہی بھر جائیں گے، حضرت بابا نظام الدین اولیاء نے کیا خوبصورت بات فرمائی ہے۔

"اگر کوئی تیری راہ میں کانٹا رکھے۔ اور تو بھی اس کے عوض کانٹا رکھ دے۔ تو ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں کا دستور تو یہ ہے کہ وہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں مگر درویشوں کا یہ دستور نہیں ہے یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیے"۔ (1)

آپ اکثر یہ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے:

ہر کہ مارا رنجہ داد راحتش بسیار بود
ہر کہ مارا یار نبود ایزد او را یار بود
ہر کہ او خارے نہد در راہ ماز دشمنی
ہر گلے از باغ عمرش بشکفد بے خار باد

"جو بھی ہمیں دکھ دے اللہ اس کی راحتوں کو سدا سلامت رکھے۔ جو ہمارا دوست نہ ہو۔ پروردگار عالم اسے اپنے حلقہ دوستی میں لے لے۔ جو ہمارے

1۔ فوائد الفواد (ہشت بہشت)، ص 808، مرتبہ حضرت امیر حسن علی سنجری، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

راستے میں دشمنی کے سبب کانٹے بچھائے۔اس کی عمر کے باغ کا ہر پھول بغیر کانٹوں کے لہلہاتا رہے"۔

اگر احمق کی بات کا جواب اسی کی طرح دیا تو پھر نعمت عقل کا شکرانہ تو ادا نہ ہوا۔ بڑا پن ترکی بہ ترکی جواب دینے سے ظاہر نہیں ہوتا ہے بلکہ پتھر کے جواب میں دعا دے کر اعلیٰ ظرف کا مظاہرہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ورنہ عقل مند کہلانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (1)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ اور جاہل ان سے مخاطب ہوں تو کہتے ہیں بس سلام"۔

یعنی جاہلوں کی بات کا جواب انہیں کے انداز میں نہیں دیتے بلکہ ان کے لیے سلامتی کی دعا کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور ان سے الجھتے نہیں ہیں علامہ ابن کثیر اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اَیْ اِذَا سَفِهَ عَلَیْهِمُ الْجَاهِلُ بِالْقَوْلِ السَّیِّئِ لَمْ یُقَابِلُوْهُمْ عَلَیْهِ بِمِثْلِهٖ بَلْ یَعْفُوْنَ وَیَصْفَحُوْنَ وَلَا یَقُوْلُوْنَ اِلَّا خَیْرًا کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزِیْدُهٗ شِدَّةُ الْجَاهِلِ اِلَّا حِلْمًا

"یعنی جب جاہل بری بات کے ساتھ بیوقوفی کا مظاہرہ کرتا ہے۔تو وہ اسی طرح اس کا جواب نہیں دیتے بلکہ اسے معاف کر دیتے ہیں اور عفو و درگزر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بھلائی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ (کی شان کا ایک پہلو یہ بھی ہے) کہ جاہل کی شدت آپ کے حلم کو

1۔الفرقان 63:25

Marfat.com

اور زیادہ کردیتی تھی''۔(1)

یعنی جاہل کا جواب اسی انداز میں دینا کوئی دلیری اور بہادری نہیں ہے جنہیں اللہ کی محبت نصیب ہو جائے تو وہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کر کے اپنی عقل ودانش کا شکرانہ ادا کرتے ہیں اور جاہل کی جہالت زیادہ ہو جائے تو ان کا حلم اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر سلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مُرَادُهُمْ طَلَبَ السَّلَامَةِ وَالسَّكُوْتَ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ التَّنْبِيْهَ عَلٰى سُوْءِ طَرِيْقَتِهِمْ لِكَيْ يَمْتَنِعُوْا، وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مُرَادُهُمُ الْعُدُوْلَ عَنْ طَرِيْقِ الْمُعَامِلَه، وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ اِظْهَارَ الْحِلْمِ فِي مُقَابَلَةِ الْجَهْلِ (1)

''ممکن ہے یہاں سلام سے مراد جاہلوں کیلئے سلامتی کی طلب کرنا اور خاموشی اختیار کرنا ہو، یا اس سے مراد انہیں ان کے برے طریقے پر متنبہ کرنا ہوتا کہ وہ اس سے باز آئیں۔ اور ممکن ہے یہاں سلام سے مراد الجھنے سے بچنا ہو۔ اور ممکن ہے یہاں سلام سے مراد جہل کے مقابلہ میں حلم کا اظہار کرنا ہو''۔

یہاں ''سلام'' سے کوئی بھی معنی مراد لیا جائے یہ حقیقت ہر حال میں ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ کے بندے جہالت کا جواب جہالت سے اور حماقت کا جواب حماقت سے نہیں دیتے بلکہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ یہی ان کی عقل کی زکوٰۃ ہے۔ جو احمقوں کی بات پر تحمل کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کا سامان پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت نعمان بن مقرن مزنی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے ایک آدمی نے دوسرے کو برا بھلا کہا۔ جسے برا بھلا کہا گیا تھا اس نے کہا اور تم پر سلامتی ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تمہارے درمیان ایک فرشتہ متعین تھا جو تمہارا

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج3، ص314، علامہ ابن کثیر الدمشقی، دار الحدیث، القاہرہ

2۔ التفسیر الکبیر، ج24، ص108، امام فخر الدین رازی، مکتبۃ الاعلام الاسلامیہ

Marfat.com

دفاع کر رہا تھا۔ جب وہ شخص تمہیں سب و شتم کر رہا تھا تو فرشتہ اسے کہہ رہا تھا کہ ایسا تو ہی ہے اور تو ہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اور جب تو نے اس سے کہا کہ تم پر سلامتی ہو تو فرشتے نے کہا نہیں بلکہ تم پر سلامتی ہو اور تمہیں اس شرف کے زیادہ مستحق ہو"۔(1)

اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ جو بیوقوف کی بات پر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی حفاظت کا سامان فرماتا ہے اور اسے عزت و شرف سے نوازتا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جو بھٹکے ہوئے کو راہ راست پہ لاتا ہے اور بگڑے ہوئے کو سنوار دیتا ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کافر کے ساتھ جو آپ کو شہید کرنے کے لیے تلوار لہرا رہا تھا اسی کے عمل کے مطابق رویہ اختیار کرتے تو کیا وہ کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہو سکتا؟

اگر اہل مکہ کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کا مژدہ جانفزا نہ سنایا جاتا تو کیا ان کے دل نور ایمان سے منور ہو جاتے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو پوری زندگی اسی چیز کا ایک واضح ثبوت ہے کہ جاہلوں اور احمقوں کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیا جائے تو اپنے لیے بھی عزت و شرف کی علامت ہے اور ان کے لیے سدھرنے اور سنورنے کا سبب ہے، یہی عقل و دانش کی زکوٰۃ ہے اور یہی نعمت عقل کا شکرانہ ہے۔

جتنا عقل کا شکرانہ زیادہ سے زیادہ ادا کیا جاتا ہے اتنا ہی بیوقوفوں کی باتوں پر تحمل اور بردباری کا اظہار زیادہ کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے کہ ایک آدمی آپ کو برا بھلا کہنے لگا اور سب و شتم کرنے لگا، حضرت امام زین العابدین کے غلام اور ساتھی غصہ میں اس پر دوڑ پڑے۔ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا، ٹھہرو، اسے کچھ نہ کہو۔ پھر خود ہی اس شخص کی طرف بڑھے اور فرمایا" ہماری زیادہ تر باتیں اور حالات تم سے پوشیدہ ہیں، تم یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی ضرورت ہے جو میں پوری کر سکوں؟" وہ آدمی نادم و شرمندہ ہو گیا آپ نے اپنا لبادہ اتار کر اس کو دے دیا اور ایک ہزار درہم بھی عطا فرمائے، اس واقعہ کے بعد جب بھی اس شخص کی نظر آپ پر پڑتی تو وہ پکار اٹھتا کہ میں

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 3، ص 314، علامہ ابن کثیر الدمشقی، دار الحدیث، القاہرہ

شہادت دیتا ہوں کہ آپ اولاد رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔(1)

ایسے ہی جب ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو آپ نے اسے فرمایا کہ بھائی اگر میں ویسا ہی ہوں جیسا تو کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رات کو گشت کرتے رہے اور صبح مسجد میں پہنچے تو آپ کا پاؤں کسی آدمی سے ٹکرا گیا وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا اس نے غصہ سے کہا ھل انت اعمی؟ کیا تم اندھے ہو۔ تو آپ نے نہایت تحمل سے فرمایا نہیں میں اندھا نہیں ہوں۔ اس شخص کی اس گستاخی پر لوگ اسے مارنے کو دوڑے تو آپ نے فرمایا کیوں مارتے ہو؟ کہنے لگے اس نے آپ کی گستاخی کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اس نے ایک سوال پوچھا تھا میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔

بیوقوفوں کی باتوں پر اس طرح تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرنا ہی انسانی عظمت ہے اور یہی نعمت عقل کی زکوۃ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی ایک مرتبہ قبرستان سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں بسطام کا ایک نوجوان بربط بجارہا تھا جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ نوجوان یہ سن کر سخت غصہ میں آگیا۔ اس نے شدت غضب سے بربط آپ کے سر پر دے مارا۔ بربط ٹوٹ گیا اور آپ کے سر پر چوٹ لگی۔ جب آپ اپنے گھر پہنچے تو صبح کے وقت بربط کی قیمت اور حلوے کا ایک طباق اس نوجوان کے پاس بھیج دیا اور خادم کی زبانی معذرت کا پیغام بھی بھیجا اور فرمایا کہ اس نوجوان سے کہنا کہ بایزید تم سے معذرت چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تم نے کل بربط میرے سر پر توڑا۔ اس کی قیمت لے لو اور دوسرا خرید لو۔ اور یہ حلوا کھالو کہ اس کے ٹوٹنے کا غصہ اور تلخی تمہارے دل سے جاتی رہے جب نوجوان نے یہ دیکھا تو حاضر خدمت ہوا۔ اس کے دل کی کدورتیں دھل گئیں۔ اس

1۔ صفوۃ الصفوۃ، ج 2، ص 56، ابن جوزی، بحوالہ المرتضیٰ، ص 386۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی

Marfat.com

نے توبہ کی اور اپنے گناہوں پر بہت رویا، اس کے بہت سے ساتھی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تائب ہوئے۔ (1)

عقل کی زکوٰۃ کا یہ منظر بھی ملاحظہ ہو حضرت فخر جہاں دہلوی جب شاہی مسجد میں نماز کی ادائیگی کیلئے تشریف لے جاتے تو آس پاس کے بازار اور مسجد کی سیڑھیاں ان لوگوں سے بھر جاتیں جو آپ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حاسدوں نے ایک سازش تیار کی۔ انہوں نے ایک طوائف کو تیار کیا کہ جب آپ عصر کی نماز کیلئے شاہی مسجد تشریف لائیں تو یہ کھوٹا روپیہ ان کے سامنے آ کر پیش کرنا اور کہنا کہ مولانا! یہ روپیہ جو آپ نے مجھے رات کو دیا تھا کھوٹا ہے۔ کم از کم دیکھ کر تو دیتے۔ یہ سازش اس لیے تیار کی گئی تھی کہ وہاں موجود لوگ آپ سے متنفر ہو جائیں گے اس طوائف کو یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے بہت سی رقم دی گئی تھی چنانچہ جب اس فاحشہ عورت نے اتنے بڑے ہجوم میں کھوٹا روپیہ نکال کر مذکورہ الفاظ کہے۔ تو آپ نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر فرمایا کہ یہ کھرا لے لے۔ رات تھی معلوم نہیں ہوا آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فاحشہ عورت آپ کے قدموں میں گر گئی معافی مانگنے لگی اور بتانے لگی کہ مجھے ان لوگوں نے بہکا دیا تھا وہ تائب ہوئی اور آپ کی غلام بن گئی۔ (2)

اس عورت نے بہت بڑی بیوقوفی اور حماقت کا اظہار کیا تھا۔ اگر اس موقع پر آپ صرف یہ فرما دیتے کہ تم جھوٹ بولتی ہو، مجھ پہ الزام لگاتی ہو تو لازمی طور پر آپ کے عقیدت منداس عورت کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس عورت نے اپنے ظرف کے مطابق معاملہ کیا تھا۔ آپ نے اس سطح پر جا کر اس کا جواب نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے ظرف کے مطابق معاملہ کیا یہی عظمت ہے یہی بڑا پن ہے اور یہ ہی نعمت عقل کی زکوٰۃ ہے۔ بیوقوف کی بات کا ویسا ہی جواب دینا بہادری نہیں بیوقوفی ہے۔ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق معاملہ کرے۔

1۔ مخزن اخلاق، ص 294، مولانا رحمت اللہ سبحانی، ناشران قرآن، اردو بازار، لاہور

2۔ انوار قمریہ، ص 218، ملفوظات حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، ادارہ تعلیمات اسلاف، لاہور

Marfat.com

ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک یہودی نے گالیاں بکنا شروع کر دیں تو اس کے جواب میں آپ اسے دعائیں دینے لگے۔ ایک ساتھی نے پوچھا حضور وہ گالیاں دے رہا ہے۔ اور آپ دعائیں، تو آپ نے فرمایا "ہر شخص وہی دیتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے"۔(1)

ہر شخص دوسرے سے اس کے ظرف کے مطابق معاملہ نہ کرے اپنے ظرف کے مطابق کرے۔ یہی عقل و دانش کا تقاضا ہے اور یہی نعمت عقل کی زکوٰۃ ہے۔

1۔ دانش عرب و عجم، ص 28، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور

Marfat.com

محنت، لیکن با مقصد یا بے مقصد

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

(المومنون 3:23)

"اور وہ بے معنی اور فضول باتوں سے گریز کرتے ہیں"

Marfat.com

ابن مریم مر گیا یا زندہ و جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلمان کیلئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

(اقبالؒ)

Marfat.com

خلیفہ ہارون رشید کا دربار سجا ہوا تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ امیر المومنین! میں ایک فن جانتا ہوں مجھے اس کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ ہارون رشید نے اسے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی اجازت دی اس کے پاس بارہ سوئیاں تھیں۔ اس نے ایک سوئی پھینکی۔ جو پہلی سوئی کے ناکے میں پیوست ہوگئی۔ تیسری سوئی پھینکی جو دوسری سوئی کے ناکے میں پیوست ہوگئی۔ اس طرح ہر سوئی پہلی سوئی کے ناکے میں پیوست ہوتی گئی اور بارہ سوئیوں کا ایک جال سا بن گیا۔ لوگ اس کا یہ فن دیکھ کر بڑے محظوظ ہوئے اسے خوب داد دی اس نے انعام طلب نگاہوں سے ہارون رشید کی طرف دیکھا تو ایک روایت کے مطابق ہارون نے کہا اسے پکڑ کر دس درے مارو اور دوسری روایت کے مطابق ہارون رشید نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اور اس آدمی کی طرف دس درہم پھینکتے ہوئے کہا خذھا اف لک۔ اسے پکڑ لے۔ تجھ پر افسوس ہے۔

لوگوں کو یہ بات بڑی عجیب لگی کہ امیر المومنین نے اس خفگی اور ناراضی کا اظہار کیوں کیا۔ پوچھنے پر ہارون الرشید کہنے لگا کہ یہ بڑا قابل اور ذہین آدمی ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ یہ اپنی محنت اور کوشش کو کسی مفید اور کارآمد کام میں خرچ کرتا لیکن اس نے اپنی محنت ایک فضول کرتب پہ برباد کردی۔

محنت، محنت ہے لیکن ہر محنت کامیابی اور کامرانی کی دلیل نہیں کامیابی صرف اور صرف اسی محنت کے نتیجے میں ملتی ہے جسے کسی مفید اور کارآمد کام میں صرف کیا جائے۔ فرض کریں لاہور سے اسلام آباد کا کرایہ پانچ سو روپیہ ہے اب ایک بندہ یہ کہے کہ میں سفر بس پہ طے نہیں کروں گا بلکہ پیدل طے کروں گا۔ اور پانچ سو روپیہ بچاؤں گا۔ اب وہ شخص پیدل چل پڑتا ہے۔ نہ جانے کتنی مشقت اٹھانے کے بعد اور کتنے دن برباد کرنے کے بعد جب وہ اسلام آباد سے لاہور پہنچے گا تو وہ تھک تو ضرور گیا ہوگا اس نے محنت بھی بہت سخت کی ہے لیکن اسے حاصل کچھ نہیں ہوگا البتہ پانچ سو روپیہ بچانے کے لالچ میں نہ جانے اس نے کتنا وقت برباد کیا

Marfat.com

راستے میں کتنے خرچ کیے اور اگر تھکاوٹ سے بیمار ہو گیا تو اسے بیماری پہ کتنے لگانے پڑے؟

ایک خوبصورت کمرہ جسے گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ کدال لے کر اسے گرانا شروع کر دے تو وہ اس کام پر محنت تو بہت کرے گا تھکاوٹ سے چکنا چور بھی ہو جائے گا لیکن جب اس محنت سے فارغ ہوگا تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا البتہ وہ اس خوبصورت کمرہ کو گرا کر لاکھوں نہیں تو ہزاروں کا نقصان ضرور کر چکا ہوگا۔ ایک کسان اگر اپنے کھیت میں بیج ہی نہ ڈالے کھیت میں ہل چلاتا رہے، گوڈی کرتا رہے، کھاد ڈالتا رہے اور ہر محنت کرتا رہے تو کیا اس کی محنت ثمر آور ہوگی؟ نہیں اور یقیناً نہیں کیونکہ اس نے محنت تو کی لیکن اس کی محنت کا رخ صحیح نہیں تھا اس لیے عبث اور فضول چلی گئی۔

محنت کے متعلق یہ سوچنا ہر قدم پر ضروری ہے کہ یہ محنت با مقصد ہے یا بے مقصد بے مقصد محنت ایک حیوان تو کر سکتا ہے کیونکہ وہ عقل وشعور اور قوت فیصلہ سے عاری ہے لیکن ایک انسان کی فہم وادراک اور شرف انسانیت اسے ایسی محنت سے ضرور روکے گا جو بے مقصد اور عبث ہو۔

مذہبی نقطۂ نظر سے یہ بات بہت اچھے طریقے سے سمجھی جاسکتی ہے کہ عبث اور بے مقصد محنت کیا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق جیسے بغیر بیج ڈالے ایک کسان تمام تر محنت ومشقت کے باوجود فصل حاصل نہیں کر سکتا ایسے ہی بغیر ایمان کے انسان کے لیے آخرت میں نجات ممکن نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ (1)

"اور جو بھی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں

1۔ آل عمران 85:3

کیا جائے گا۔اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا"۔

اب اگر ایک شخص بت پرستی کر رہا ہو یا اسلام کے سوا کسی بھی اور مذہب پر رہے اور وہ جتنی بھی عبادت کرتا رہے محنت و ریاضت کرتا رہے ظاہر ہے جب وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو اس کی کوئی محنت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔اس کی تمام ریاضتیں راکھ کا ڈھیر بن جائیں گی اور اس کا نامہ اعمال نیکیوں سے مکمل طور پر خالی ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ (1)

"اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا۔اس کے سب اعمال اکارت ہو گئے۔انہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو وہ کیا کرتے تھے"۔

چونکہ وہ اپنے اعمال سے بھی شرک اور کفر ہی کرتے تھے اس لیے ان کے اعمال ان کی نجات کا ذریعہ نہیں بنیں گے۔

مفید کام کو چھوڑ کر غیر مفید کام میں کوشش کرنا نہ صرف دانش و بینش کے خلاف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت و صلاحیت کا کفران بھی ہے۔اس حقیقت کو دین کے حوالہ سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ دین کا مرکزی نقطہ رجوع الی اللہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد وحید لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑنا تھا اور انسانوں کے اپنے رب سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (1)

"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول صرف اس لیے بھیجا (کہ وہ لوگوں سے

1۔النحل 16:36

کہے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور سرکش شیطان سے دور رہو"۔

ایک اور مقام ارشاد ہوتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (1)

"کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکمت، اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ صرف یہ کہے گا کہ) اے لوگو! رب والے بن جاؤ"۔

دین کا مغز تو رجوع اللہ ہے اب اگر کوئی شخص اپنی ساری محنت اسی چیز میں صرف کردے کہ رفع آسمانی سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گندم کی روٹی نہیں جو کی روٹی کھائی تھی۔ وہ لوگوں کو نماز کی طرف مائل کرنے پر جدوجہد نہ کرے البتہ وہ اس چیز پر لاکھوں روپے خرچ کرکے مناظرے ضرور کرے کہ نماز میں آمین آہستہ نہیں اونچی کہنی ہے یا اونچی نہیں آہستہ کہنی ہے۔ تو ایسا شخص محنت تو ضرور کر رہا ہے لیکن اس کی محنت کا مصرف صحیح نہیں ہے۔

دین کا مغز تو رجوع الی اللہ ہے اور کوئی شخص اپنی ساری محنتیں اور جملہ کاوشیں ان مباحث میں صرف کردے جن کا قیامت کے دن انسان سے سوال ہی نہیں ہوگا اور جو منصوص نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے استدلال پر مبنی ہیں تو اس کی محنت کا مصرف بھی بے ثمر اور بے نتیجہ ہے۔ جب کچھ لوگوں نے اصل دین کو چھوڑ کے قوم کو ان نزاعی مسائل میں الجھانے کی کوشش کی اور پھر حق کے علمبرداروں کو بھی اپنی کوششوں کا ایک بہت بڑا حصہ ان کے جوابات دینے میں صرف کرنا پڑا۔ تو حضرت علامہ اقبالؒ نے پکار پکار کر کہا کہ ان مسائل میں ملت اسلامیہ کو الجھانے والے لوگ دراصل شیطانی منصوبے پر کام کر رہے ہیں اور علمائے حق کو ان مسائل میں الجھا کے دین اور ملت کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ قوم کو ان مسائل میں الجھا دو کہ۔

1۔ آل عمران 3:79

Marfat.com

ابن مریم مر گیا یا زندہ و جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات؟
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلمان کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟

جب قوم اپنی محنتیں ان مباحث میں صرف کردے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ اصل دین سے دور ہو جائیں گے اور عظمت کردار سے محروم ہو جائیں گے۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات (1)

بے مقصد یا با مقصد محنت کو سمجھنے کے لیے مفتی محمد شفیع صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو انہوں نے علامہ انور شاہ محدث کاشمیری کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ مذکورہ دونوں حضرات مکتبہ دیوبند کے جید عالم دین ہیں اور انہیں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

"ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں۔ جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز ہے۔ قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے

1۔ کلیات اقبال، ص 656، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر دین کی اشاعت اور خدمت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں۔ عمر ضائع کر دی! میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہے ہیں محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں؟ کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے۔ وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، یہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعی، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور دوسرے مسالک کے فقہاء کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ''صواب محتمل الخطاء'' (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو ''خطا محتمل الصواب'' (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں پھر فرمایا۔

ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق وکاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے۔ اور احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہی ہو۔ اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے

ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق پر تھا یا ترک رفع یدین؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر۔ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے۔

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے۔ جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔ یہ نہیں ہوگا؟

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اس کے پیچھے پڑ کے ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں۔ جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے۔ جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔

یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور منکرات جن کے مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے۔ شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حلال وحرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں!

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔ (1)

اس میں کسی فقہی مسئلہ کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو نہ

1۔ وحدت امت، ص 15-17، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، دارالاشاعت، کراچی

Marfat.com

صرف اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہے بلکہ موقع کی مناسبت سے کبھی کبھی بہت ضروری ہو جاتا ہے اور ائمہ فقہ رحمہم اللہ نے یہی کیا کہ قرآن وسنت سے مسائل مستنبط کر کے امت کے لیے راہ عمل کو آسان بنا دیا اللہ تعالیٰ ان کی قبور کو اپنے نور سے منور فرمائے (آمین)

یہاں اصل تردید اس محدود سوچ کی ہے کہ جب ایک آدمی اصل دین کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناتا بلکہ ان مباحث میں خود بھی الجھتا ہے اور امت کو بھی الجھاتا ہے جن کی حیثیت فروعی مسائل کی ہوتی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص فرائض کو ترک کر کے ایک مباح کام پہ اپنی توجہ مرکوز کر دے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے مطابق مچھر چھانتا رہے اور اونٹ پیتا رہے۔

ہر شخص یہ سوچ لے کہ میری اس محنت کا حاصل کیا ہے اور یہاں میں محنت کر رہا ہوں دین میں اس کی اہمیت کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی محنت دین کی خدمت نہ رہے بلکہ لوگوں کو اصل دین سے دور کرنے کا ذریعہ بن جائے اور ایک کرتب کی حیثیت اختیار کر جائے۔

Marfat.com

ملامت، راہ حق سے روک نہ دے

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

(المائدہ 5:54)

"(اللہ کے محبوب بندے) راہ خدا میں پوری جدوجہد صرف کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ وسیع علم والا ہے"۔

Marfat.com

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبالؒ)

زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آجاتے ہیں جب انسان بڑے خلوص، لگن اور انتہائی سچے جذبوں کے ساتھ کسی نیک مقصد میں لگا ہوتا ہے فطرتی طور پر وہ چاہتا ہے کہ لوگ یا تو اس کارِ خیر میں اس کے شریک ہو جائیں یا کم از کم اس نیک کام کے سرانجام دینے میں اسے دادِ تحسین تو ضرور دیں۔ لیکن لوگوں کا رویہ ایسا نہیں ہوتا۔ ان کی سوچیں اس کی ہمنوا نہیں ہوتیں، وہ اس سے تعاون تو کجا، اس پر طعن و تشنیع کے وہ زہریلے تیر چلاتے ہیں۔ کہ اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اس کی ہمتیں جواب دے جاتی ہیں اور اس کے جذبے دم توڑ جاتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ میں اپنی قوم کی بہتری اور اپنی ملت کی فلاح کیلئے بغیر کسی مادی لالچ کے اپنا سب کچھ قربان کیے جا رہا ہوں میں نے اس قوم کی فلاح کیلئے اپنی زندگی بھر کا سرمایہ نچھاور کر دیا ہے لیکن یہ لوگ میرے ہمسفر بننے کی بجائے الٹا مجھ پہ طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہیں۔ یہی سوچ کر اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور وہ اس کارِ خیر کو چھوڑ دیتا ہے۔

ملامت سے گھبرا کر کارِ خیر کو چھوڑنا اور راہ حق سے الگ ہو جانا مذہبی نقطۂ نظر سے تو باعث ملامت ہے ہی، عقل و دانش اور اخلاقیات بھی اس کی تائید نہیں کرتیں۔ اور اس کی یہ سوچ طلب صادق میں کمی اور راہ حق کی لذتوں سے محرومی پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ محب صادق صرف رضائے حبیب کا متلاشی ہوتا ہے وہ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ لوگ میری مدح و توصیف کر رہے ہیں یا مذمت۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی کارِ خیر سرانجام دینے والا بندہ اس چیز کا فیصلہ مکمل شعور و آگہی سے کر لے کہ وہ یہ کام لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کر رہا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے۔ اس کا مقصود لوگوں سے اپنی تعریف کروانا ہے یا اپنے پاک رب کی نظر محبت کا حصول۔ اگر وہ یہ کام لوگوں سے اپنی تعریف و توصیف کروانے کیلئے کر رہا ہے اور الٹا لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں تو اسے واقعی یہ کام چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ ایک تو یہ سوچ ہی بندہ مومن کی سوچ نہیں اور دوسرا اس کا مقصود بھی نہیں مل رہا اور اگر اس کارِ خیر سے اس کا

مقصود اپنے پاک رب کی رضا حاصل کرنا ہے تو اسے لوگوں سے بے نیاز ہو جانا چاہیے اور اسے یہ حقیقت کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ لوگ مجھے جو بھی کہتے رہیں۔ وہ جیسے بھی طعن و تشنیع کے تیر چلاتے رہیں مجھے صرف اپنے رب کی رضا مقصود ہے اور جب میرا یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہے تو مجھے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اخلاص یہ ہے کہ تو مدح وذم سے بے نیاز ہو جا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہونے کی علامت ہی یہ ہے کہ انسان صرف یہ سوچے کہ میرا یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں وہ کوئی کام کر رہا ہے تو اسے اس چیز کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ لوگ اس کام کے کرنے سے میری تعریف کر رہے ہیں یا مذمت۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس زندگیاں اس میدان میں انسان کی کامل رہنمائی کرتی ہیں کہ اعلان نبوت سے قبل تمام لوگ ان کی شرافت ونجابت اور عظمت کردار کے گن گاتے تھے لیکن یونہی انہوں نے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا اور انہیں گناہ اور سرکشی کا راستہ چھوڑ کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تلقین کی تو وہی لوگ ان کے دشمن بن گئے اور اس حد تک گئے کہ نہ صرف تعریف وتوصیف کی جگہ طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگے بلکہ ان کی جان کے درپے ہو گئے اور بعض کو شہید کر دیا لیکن ان تمام مشکل اور سنگین حالات کے باوجود کیا انبیاء کرامؑ نے ملامت اور مخالفت سے گھبرا کر اس کار خیر کو ترک کر دیا؟ نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ وہ لوگوں کی شدید مخالفت کے باوجود ان کی خیر کے خواہاں رہے اور انہیں نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تک نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا تمام لوگ آپ کو انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے لیکن یونہی آپ نے لوگوں کو خیر کی طرف بلایا۔ وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ وہ نہ صرف آپ کو ساحر، کاہن اور مجنون کہنے لگے انہوں نے آپ کی راہوں میں کانٹے بھی بچھائے، آپ کو پتھر بھی

Marfat.com

مارے اور آپ کی جان کے درپے بھی ہو گئے صرف اس لیے کہ آپ انہیں شرک وبت پرستی چھوڑ کے خدائے واحد کی عبادت کا درس دیتے تھے تو کیا اس ملامت اور مخالفت سے گھبرا کر آپ نے اس کار خیر کو خیر باد کہہ دیا؟ نہیں۔ آپ پوری یکسوئی، مکمل انہماک اور بھر پور جدوجہد کے ساتھ اپنے مقصد میں مگن رہے۔ آپ ملامت کرنے والوں کی بھلائی کے اتنے خواہاں تھے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (1)

''کہیں آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے کہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے''۔

یعنی ان تمام تر زیادتیوں کے باوجود انتہائی شدت سے ان کی خیر اور بھلائی کے طالب رہے۔ اور ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ خدا کی قسم! میں اپنے کاموں میں لگا رہوں گا یا یہ لوگ حق کو مان لیں گے یا میری جان اس راہ میں قربان ہو جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا یہ پہلو واضح کر رہا ہے کہ خیر کی دعوت کوئی تجارت نہیں ہے بلکہ یہ یکطرفہ خیر خواہی کا نام ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے ہمہ تن مصروف تھے۔ اس وقت بھی آپ کی قوم اس پیکر خیر اور مجسمۂ خلوص پر ملامت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔ ایک موقع پر آپ کی قوم نے ایک ایسی بات کہی کہ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو اسے سن کر اس کی ہمتیں جواب دے دیتیں اور قوم کا طنز سن کر اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ اور عین ممکن تھا کہ وہ اس خیر کی جدوجہد کو چھوڑ کے آرام سے اپنے گھر بیٹھ جاتا اور امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ انہوں نے کہا۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (2)

''کہنے لگے ہم آپ سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کے آنے کے بعد

1۔ الشعراء 3:26 2۔ الاعراف 129:7

بھی"۔

یعنی جب ابھی آپ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی تو آپ کی وجہ سے ہمارے بچوں کو قتل کیا گیا اور ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اور اب آپ کی اس جدوجہد کی وجہ سے ہماری مشکلات میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی تمام تر مشکلات کا سبب حضرت موسیٰ کو قرار دیا۔ جس انسان نے اپنی زندگی اپنی قوم کی بہتری اور بھلائی کے لیے وقف کر دی ہو اور جو شب وروز ان کی بھلائی میں مگن ہو تو قوم کا ایسا رویہ اس کی ہمتوں کو پست کر دیتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ اپنی قوم کی اس دل شکن ملامت سے ان کی خیر چاہنے سے دستبردار نہیں ہو گئے بلکہ آپ نے فرمایا۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ (1)

"آپ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں اس سرزمین کا مالک بنا دے پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو"۔

قوم کا یہ طعن بھی آپ کو کار خیر سے نہیں روکتا بلکہ آپ رحمت خداوندی کی امید دلا کر حوصلہ دیتے ہیں۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو خیر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میری قوم! ماپ تول میں کمی نہ کرو، لوگوں کا حق نہ مارو اور زمین میں فساد نہ کرو ورنہ تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔ اس دعوت کے ذریعے آپ اپنا کاروبار تو نہیں چمکانا چاہتے تھے نہ ہی اس سے کوئی مادی مفاد مقصود تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی پیغمبر کبھی بھی قوم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ بھلائی اور خیر پر مبنی اس دعوت کے جواب میں قوم کہتی ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

1۔ الاعراف 129:7

Marfat.com

”کہنے لگے اے شعیب! آپ جو کچھ کہتے ہیں اس میں سے زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں آتی ہی نہیں۔ اور ہم آپ کو کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر آپ کا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے اور آپ ہم سے طاقتور نہیں ہیں“۔(1)

قوم کے اس رویہ کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ (2)

”اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو میں بھی کام کر رہا ہوں“۔

یعنی اے میری قوم! اگر تم میری باتوں سے متاثر ہو کر شر کو نہیں چھوڑتے تو میں تمہاری ملامت سے گھبرا کر خیر کی دعوت کو کیوں چھوڑوں گا؟ ایک دانشور کا قول ہے ”بدی پھیلانے والے کم ہوتے ہیں اور نیکی پھیلانے والے بہت زیادہ ہیں لیکن بدی پھیلانے والے بدی پھیلانے میں جس طرح مخلص ہوتے ہیں اس طرح نیکی پھیلانے والے نیکی پھیلانے میں مخلص نہیں ہوتے“ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ معاشرہ میں بدی کو فروغ دیتے ہیں وہ بدی پھیلانے میں کسی طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام میں مگن رہتے ہیں لیکن نیکی پھیلانے والے طعن و تشنیع سے گھبرا کر عموماً شکستہ ہمت ہو جاتے ہیں۔ جبکہ راہ حق کے راہی کو برائی پھیلانے والے سے کہیں بڑھ کے عزم و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ اس کا مقصد زیست بہت بلند ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر اپنے والد کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنتا۔

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْهَيْثَمِ غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِاَبِي الْهَيْثَمِ عَفَا اللّٰهُ عَنْ اَبِي الْهَيْثَمِ۔

اللہ تعالیٰ ابوہیثم پہ رحم فرمائے، اس کی مغفرت فرمائے اور اسے معاف فرمائے۔ ایک

1۔ ہود 91:11 2۔ ہود 91:11

دن میں نے پوچھا اے میرے والد گرامی! یہ ابو ہیثم کون ہے؟ فرمانے لگے کیا تو اسے نہیں جانتا؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا یہ لوہار تھا۔ ایک دن جب خلق قرآن کا اقرار نہ کرنے پر سپاہی میرے ہاتھوں کو جکڑ کے مجھے کوڑے مارنے کیلئے لے جا رہے تھے۔ تو میں نے محسوس کیا کہ ایک آدمی پیچھے سے میرے کپڑے کھینچ رہا ہے وہ مجھے کہنے لگا کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا میرا نام ابوالھیثم ہے میں ایک مکار آدمی ہوں اور چوری کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے میرا نام امیر المؤمنین کے دیوان میں لکھا ہوا ہے مجھے متفرق طور پر اٹھارہ ہزار کوڑے پڑ چکے ہیں اور اس نے کہا۔

وَضُرِبْتُ فِی ذٰلِکَ عَلٰی طَاعَةِ الشَّیْطَانِ لِأَجْلِ الدُّنْیَا فَاصْبِرْ اَنْتَ فِی طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ لِأَجْلِ الدِّیْنِ (1)

"مجھے یہ سب کوڑے دنیا کیلئے شیطان کی اطاعت میں پڑے ہیں صبر کیجئے آپ دین کیلئے اللہ کی اطاعت میں کوڑے کھا رہے ہیں"۔

یعنی اگر میں چوری کیلئے اتنے کوڑے کھا رہا ہوں تو آپ تو تحفظ دین اور حرمت قرآن کیلئے کوڑے کھا رہے ہیں اور آپ کو مجھ سے کہیں بڑھ کے صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات سے مزید حوصلہ ملا تھا اس لیے وہ اکثر اس کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔

حق کے داعی کو کسی ملامت کی پرواہ کیے بغیر اپنی منزل پہ گامزن رہنا چاہیے یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی اس کے بلند اور اعلیٰ مقصد کی پکار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور محبوب بندوں کی ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ وہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

1۔ جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین، ج 1، ص 238، نعمان بن محمود، ابوالبرکات خیر الدین الآلوسی، مطبعۃ المدنی، (1401ھ، 1981ء)

Marfat.com

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (1)

"(اللہ کے محبوب بندے) راہ خدا میں پوری جدوجہد صرف کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے"۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

أَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ أَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ، وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِيْ، وَلَا أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِيْ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أُدْبِرَتْ وَأَمَرَنِيْ أَنْ لَا أَسْئَلَ أَحَدًا شَيْئًا وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَقُوْلَ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا وَأَمَرَنِيْ أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ (2)

"مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا۔ مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ میں مساکین سے محبت کروں اور ان کے قریب ہو جاؤں۔ اور مجھے حکم فرمایا کہ میں اس شخص کی طرف دیکھوں جو مجھ سے کم حیثیت کا ہو اور اس شخص کی طرف نہ دیکھوں جو مجھ سے اعلیٰ حیثیت کا ہو۔ اور مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ مجھ سے منہ موڑا جائے۔ اور مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ میں کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں۔ اور مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ میں ہر حال میں سچی بات کہوں اگرچہ وہ کڑوی ہی ہو۔ اور مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں اور مجھے آپ نے حکم فرمایا کہ میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت کے ساتھ پڑھوں

1۔ المائدہ 54:5

2۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 2، ص 67، امام اسماعیل ابن کثیر، دار الحدیث، القاہرہ (1408ھ، 1988ء)

Marfat.com

کیونکہ یہ عرش کے نیچے خزانے میں سے ہے"۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ راہ خدا میں پیش آنے والی کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنا بھی ان امور میں سے ہے جن کی نبی کریم ﷺ خصوصی طور پر تاکید فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحْقِرَنَّ اَحَدُکُمْ نَفْسَهٗ اَنْ یَّرٰی اَمْرَ اللّٰهِ فِیْهِ مَقَالًا فَلَا یَقُوْلُ فِیْهِ فَیُقَالُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَكُوْنَ قُلْتَ فِیْ كَذَا وَكَذَا فَیَقُوْلُ مَخَافَةَ النَّاسِ فَیَقُوْلُ اِیَّایَ اَحَقُّ اَنْ تَخَافَ (1)

"تم میں سے جب کوئی ایسا موقع دیکھے جہاں احکام الٰہی میں سے کسی چیز کا کہنا ضروری ہو تو وہاں وہ اس بات کو کہنے میں اپنی حقارت محسوس نہ کرے ورنہ قیامت کے دن اسے کہا جائے گا کہ تجھے یہ حق بات کہنے سے کس چیز نے روکا تھا تو وہ کہے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں زیادہ حق دار تھا کہ مجھ سے ڈرا جاتا"۔

مقام تدبر ہے کہ اگر ہم ملامت سے گھبرا کے راہ حق سے ہٹ جائیں گے تو قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا جواب دیں گے کہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں لوگوں سے بڑھ کر اس چیز کا حقدار تھا کہ صرف مجھ سے ڈرا جاتا اور تم نے لوگوں سے ڈر کے میری رضا کو ہی ترک کر دیا؟

راہ حق میں جو بندہ جتنی ملامت برداشت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مقام اتنا ہی بلند ہوتا جاتا ہے اور جو بندوں سے ڈر کے راہ حق کو چھوڑ دیتا ہے اس کی مصنوعی عزتیں بہت جلد ذلتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اہل تصوف تو ملامت کو اہل حق کی غذا کہتے ہیں حضرت گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لاجرم ملامت خلق غذای دوستان حق است از انچه اندر آں

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 18، ص 231، رقم الحدیث 11699، موسسۃ الرسالۃ (1420ھ، 1999ء)

آثار قبول است و مشرب اولیای وی که آں علامت قرب است
وهمچناں که همه خلق بقبول خلق خرم باشند ایشاں برد
خلق خرم باشند و در اخبار آمده است از پیغمبر صلی اللہ
علیه وسلم از جبرئیل صلوات اللہ علیه از خداوند تعالیٰ که
گفته اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری الا اولیائی واللہ اعلم

''یقیناً مخلوق کی ملامت اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی غذا ہے کیونکہ اسی میں بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کے آثار ہیں اور عام لوگ مخلوق میں قبولیت پہ خوش ہوتے ہیں اور وہ مخلوق کے رد کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جبرائیل نے حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری الا اولیائی۔ میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں انہیں میرے دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ (1)

راہ حق کے مسافر کو صرف اپنے رب کی رضا مقصود ہونی چاہیے وہ اس چیز سے بے نیاز ہو جائے کہ لوگ میری تعریف کر رہے ہیں یا مذمت۔

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو مقام صفاح پر آپ کی ملاقات مشہور شاعر فرزدق سے ہوئی جو عراق سے آ رہا تھا کہنے لگا اللہ تعالیٰ آپ کی تمنائیں پوری فرمائے۔ امام حسینؓ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہنے لگا آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔ قلوب الناس معك وسیوفهم مع بنی امیة۔ لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں تاہم قضائے الٰہی آسمان سے نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق ہوا تو ہم اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں گے۔ اور ادائے

1۔ کشف المحجوب، ص 60، حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور

شکر میں بھی اسی سے مدد مانگی جاتی ہے۔اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو۔

فَلَمْ یَعْتَدَّ مَنْ کَانَ الْحَقَّ نِیَّتَهٗ وَالتَّقْوٰی سَرِیْرَتَهٗ (1)

''جس بندے کا ارادہ کلمہ حق کہنا ہو اور اس کا محرک تقوی ہو اسے ان چیزوں سے بے نیاز ہونا چاہیے''۔

یعنی کلمہ حق اس بات کا محتاج نہیں ہوتا کہ لوگ داد تحسین دیں تو راہ حق کا مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے اور اگر لوگ ساتھ چھوڑ دیں تو وہ بھی کلمہ حق کہنا ترک کر دے۔خیر کا داعی اس سے بے نیاز ہوتا ہے لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں وہ پھر بھی انہیں خیر کی دعوت دیتا ہے اور لوگ اس کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کریں وہ پھر بھی انہیں خیر کی دعوت دیتا رہتا ہے۔

جب کوئی بندہ اللہ کی محبت میں ملامت برداشت کرتا ہے۔اس کی رضا پانے کیلئے طعن وتشنیع کے تیر سہتا ہے تو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ میرا بندہ میرے لیے کیا دکھ اٹھا رہا ہے۔کرب کے کن لمحات سے گزر رہا ہے اللہ اسے لوگوں کی نفرتوں کے بدلے میں اپنی محبتیں عطا فرماتا ہے۔لوگوں کے طعن وتشنیع کے بدلے اس کے ساتھ اپنی محبت کا اعلان فرماتا ہے۔جب لوگ اسے رد کر دیتے ہیں تو وہ اسے اپنا قرب عطا فرماتا ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ اَجْلِیْ (2)

''میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں''۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

1۔الکامل فی التاریخ، ج4، ص40، علامہ ابن اثیر، دار صادر، بیروت (1385ھ، 1965ء)

2۔الفتح الربانی، ص417، شیخ سید عبدالقادر جیلانی، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور (1422ھ، 2001ء)

انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ
وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل 17:70)

"اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی ہے۔ انہیں خشکی اور تری میں سواری دی ہے۔ انہیں بہترین چیزوں کا رزق دیا ہے اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بزرگی عطا فرمائی ہے"۔

آدم کے کسی روپ کی توہین نہ کر
پھرتا ہے خدا دنیا میں کئی بھیس بدل کر

☆☆☆☆☆

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا خبر اس کریم کو تو ہے یا وہ پسند

Marfat.com

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (1)

"جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ایک شخص نے عرض کیا۔ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا خوبصورت ہو (کیا یہ بھی تکبر ہے) فرمایا (نہیں۔یہ تو خوبصورتی ہے اور) اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔تکبر تو حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے"۔

اس حدیث پاک سے واضح ہو رہا ہے کہ انا پرستی کے سبب کسی حق بات کو جھٹلا دینا اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا ایسے جرائم ہیں جن کے مرتکب پر جنت میں داخل ہونا حرام کر دیا جاتا ہے۔

لوگوں کو حقیر جاننا ایسا گناہ ہے جو انسان کو اللہ کی رحمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔لوگوں کو حقیر جاننا ایک منفی سوچ ہے جو تکبر کی نفسیات سے جنم لیتی ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ بادشاہ بادشاہ نہ رہے اور دربان دربان نہ رہے۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اختلاف مراتب رہیں لیکن انہیں ایک دنیوی تقسیم سمجھا جائے اور ہر انسان کو احترام کی نظر سے دیکھا جائے۔

اس دنیا میں اختلاف مراتب فطری نظام کا ایک حصہ ہے اگر دربان اور بادشاہ کی سماجی حیثیت برابر ہو جائے تو دربان، دربان کیوں رہے گا؟ اگر آقا اور غلام کے وسائل حیات یکساں ہو جائیں تو غلام، غلام کیوں رہے گا؟ اختلاف مراتب کے بغیر تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔

1۔ الترغیب والترہیب، ص 547، کتاب الادب، امام عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، دار ابن حزم، بیروت (1422ھ، 2001ء)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا (1)

''ہم نے دینوی زندگی میں ان کی معیشت کو ان کے درمیان تقسیم کیا۔ اور ہم نے بعض کے درجے دوسروں سے بلند کیے تاکہ انہی میں بعض، بعض سے خدمت لیں''۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ اختلاف مراتب تو دنیوی نظام کا ایک حصہ ہے۔ لیکن انسان کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ اعلیٰ درجات اور وسائل حیات جو مجھے میسر ہیں یہ اس لیے نہیں ہیں کہ میں لوگوں کو حقیر جانوں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے کہ انسان میسر وسائل حیات کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ذریعہ بناتا ہے یا سرکشی اور ناشکری کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشیں بنایا۔ اور تم میں سے بعض کے درجے دوسروں سے بلند کیے تاکہ اس نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا اور بے شک وہ بخشنے والا بڑی رحمتوں والا ہے''۔ (2)

اختلاف مراتب تکبر کی غذا نہیں بننے چاہیں بلکہ آزمائش کا نظریہ انہیں احساس ذمہ داری پیدا کرنے کا ذریعہ بننا چاہیے۔ ایک شخص اگر تخت پر بیٹھا ہے اور ایک اس کا دربان ہے تو دنیوی مراتب کے اعتبار سے بلاشبہ تخت نشیں دربان سے بہتر ہے لیکن اگر کسی کجکلاہ

1۔ الزخرف 32:43 2۔ الاعراف 165:7

نے یہ سوچ لیا کہ اللہ کی بارگاہ میں میرا مقام اس دربان سے بلند ہے تو یہ سوچ اسلامی تعلیمات کے منافی اور انسان کو تباہ و برباد کرنے والی ہے۔ تخت نشیں ایک اعلی سماجی اور معاشرتی حیثیت کا مالک ہے اور دربان اس کے سامنے دنیوی اعتبار سے ایک ادنی حیثیت کا حامل ہے لیکن اللہ کی بارگاہ میں تخت والا محبوب ہے یا دربان۔ یہ میرا رب ہی جانتا ہے۔

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ

کیا خبر اس کریم کو تو ہے یا وہ پسند

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ انسان صرف اپنی معاشرتی اور سماجی حیثیت کے سبب ہی قابل احترام ہے۔ یا کسی انسان کا احترام صرف تعلقات اور روابط کی بنیاد پر کیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ انسان انسان ہونے کے ناطے قابل احترام ہے۔ اگرچہ اس کی کوئی سماجی حیثیت نہ ہو اور بھلا سے آپ سے اس کی کوئی شناسائی نہ ہو ہر انسان بحیثیت انسان لائق تکریم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (1)

"اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی اور انہیں خشکی اور تری میں سواری دی ہے اور انہیں بہترین چیزوں کا رزق دیا اور انہیں بہت سی مخلوق پر بزرگی عطا کی ہے"۔

یعنی انسان بحیثیت انسان لائق تکریم ہے اور باعث فضلیت بھی۔ علامہ ابن کثیر اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُ تَعَالٰى عَنْ تَشْرِيْفِهٖ لِبَنِيْ آدَمَ وَتَكْرِيْمِهٖ اِيَّاهُمْ فِيْ خَلْقِهٖ لَهُمْ عَلٰى اَحْسَنِ الْهَيْئَاتِ وَاَكْمَلِهَا۔۔۔۔ يَمْشِيْ قَائِمًا مُنْتَصِبًا عَلٰى

1۔ بنی اسرائیل 70:17

Marfat.com

رِجْلَیْهِ وَیَأْکُلُ بِیَدَیْهِ وَغَیْرُهٗ مِنَ الْحَیَوَانَاتِ یَمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ وَیَأْکُلُ بِفَمِهٖ وَجَعَلَ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّفُؤَادًا یَفْقَهُ بِذٰلِكَ کُلِّهٖ وَیَنْتَفِعُ بِهٖ وَیُفَرِّقُ بَیْنَ الْاَشْیَاءِ وَیَعْرِفُ مَنَافِعَهَا وَخَوَاصَّهَا وَمَضَارَّهَا فِی الْاُمُوْرِ الدِّیْنِیَّةِ وَالدُّنْیَوِیَّةِ (1)

''اللہ تعالیٰ انسان کو مشرف اور مکرم بنانے کی خبر دے رہا ہے۔ انسان کی تخلیق خوبصورت ترین اور کامل ترین ساخت پر کی گئی ہے۔۔۔۔ وہ اپنی دو ٹانگوں پر چلتا ہے۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ دیگر حیوانات چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ انسان اپنے منہ سے کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت سماعت اور قوت بصارت عطا کی ہے اور اسے دل عطا فرمایا ہے جس کے ساتھ وہ فہم وادراک کی قوت رکھتا ہے اور فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ چیزوں میں فرق کرتا ہے اور دینی اور دنیوی معاملات میں ان کے فوائد، خصوصیات اور نقصانات کو پہچانتا ہے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر ایک انسان کسی سماجی حیثیت کا حامل نہیں ہے۔ وہ دنیوی جاہ وحشمت سے بھی تہی دست ہے اور اس کا ایک انسان کے ساتھ کوئی خونی یا دوستی کا تعلق بھی نہیں۔ تب بھی وہ اس کے لیے لائق تکریم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بحیثیت انسان محترم اور مکرم بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانی جان کی اہمیت اور قدر و قیمت واضح فرمائی تو وہاں بھی کسی سماجی حیثیت یا خونی وقلبی تعلق کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ محض انسان ہونے کے ناطے ہی اس کی جان کی قدر ومنزلت کو واضح فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 3، ص 50، ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، دار الحدیث، القاہرہ (1408ھ، 1988ء)

2۔ المائدہ 5:32

النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (2)

''جس نے کسی شخص کو کسی قتل کے بدلے یا زمین میں کوئی فساد برپا کیے بغیر قتل کردیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا۔ اور جس نے ایک انسان کو موت سے بچایا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی دی''۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا باغی اور سرکش انسان اپنی بغاوت اور سرکشی کے سبب مقام انسانیت کھو دیتا ہے اور وہ سب سے گھٹیا مخلوق بن جاتا ہے۔ اسی آیہ کریمہ سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ انسانی جان بہت لائق احترام ہے لیکن اگر ایک انسان کسی دوسرے انسان کو قتل کردے یا زمین میں فساد برپا کرے تو ان جرائم سے اس کی جان کی حرمت ختم ہو جائے گی کیونکہ انسانی جان تمام تر احترام کے باوجود حق سے بڑھ کر قابل احترام نہیں ہے۔

اسی حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۷﴾ (1)

''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرک وہ سب جہنم کی آگ میں جائیں گے ہمیشہ اسی میں رہیں گے وہی بدترین مخلوق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہی بہترین مخلوق ہیں''۔

ایک اور مقام پر انہیں جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (2)

1۔ البینہ 98:6-7

2۔ الاعراف 7:179

''ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں ان سے وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں ان سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں جیسے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بھٹکے ہوئے ہیں یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انسان کے برے اعمال اسے بدترین مخلوق بنا دیتے ہیں لیکن اس کا اثر یا آخرت میں ظاہر ہوگا یا میدان جہاد میں۔ امن سے رہتے ہوئے ہر انسان قابل احترام ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مومن کی عزتیں دوبالا ہو جاتی ہیں کیونکہ اس نے اس تکریم کی حفاظت کی جو اللہ تعالیٰ سے اسے عطا فرمائی تھی اور مومن کی عزت تو حرمت کعبہ سے بھی بڑھکر بتائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ شریف کا طواف کرتے ہوئے دیکھا آپ فرما رہے تھے۔

مَا اَطْيَبَكِ وَاَطْيَبُ رِيحَكِ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمُ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لِحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَاللهِ حُرْمَةٌ مِّنْكِ مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَاَنْ نَظُنَّ بِهٖ اِلَّا خَيْرًا (1)

''اے کعبہ تو کتنا پاکیزہ ہے۔ اور تیری فضا بھی کتنی پاکیزہ ہے تو کتنا عظیم ہے اور تیری عزت و عظمت بھی کتنی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک ایک مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت و حرمت سے کہیں بڑھ کے ہے۔ اس کا مال اور اس کا خون بھی ایسے ہی محترم ہے۔ ہم اس کے متعلق بھلائی کے سوا اور کوئی گمان نہ کریں گے''۔

اگر ایک مومن کسی سماجی حیثیت کا حامل نہ بھی ہو۔ اس کے پاس دنیوی جاہ و حشمت نہ بھی ہو۔ تو کیا وہ قابل احترام نہ رہے گا؟ کیا اسے نظر حقارت سے ٹھکرا دیا جائے گا؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ وہ بغیر ذاتی تعلقات اور جاہ و منصب کے بھی قابل احترام ہے کیونکہ وہ ایک

1۔ سنن ابن ماجہ، ص 282، امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، ابواب الفتن، قدیمی کتب خانہ، کراچی

انسان بھی ہے اور مومن بھی۔ تعلق یا منصب کی بنا پر احترام تو ایک ملحد اور دہریہ بھی کر لیتا ہے۔ پھر اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا احترام کہاں گیا؟

اسلام نے تو غیر مسلم کا بھی احترام سکھایا ہے۔ اگر وہ کسی جرم سے اپنی حرمت پامال نہ کر دے تو غیر مسلم کی جان، مال اور عزت بھی مسلمان کی طرح ہی قابل احترام ہے۔ اور مومن کی تو علامت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے سراپا امن بن جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ (1)

''مومن وہ ہے کہ دوسرے لوگ جس سے امن میں رہیں''۔

یہاں مسلم و غیر مسلم کے فرق کے بغیر مومن کی علامت ہی یہ بتائی گئی کہ وہ سب انسانوں کیلئے خیر اور امن کا سفیر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَ الْجَنَّةِ لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ (2)

''جس نے کسی ذمی کو بلا وجہ قتل کیا۔ وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اگرچہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سونگھی جائے گی''۔

ایک مرتبہ حضرت سعل بن حنیف اور حضرت قیس بن سعد قادسیہ کے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ تو اسی سرزمین کا رہنے والا اور اہل ذمہ میں سے ہے۔ تو ان دونوں نے کہا۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ اَلَيْسَتْ نَفْسًا (3)

1۔ الترغیب والترہیب، ص 488، امام عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، کتاب البر والصلۃ، رقم الحدیث 3759، دار ابن حزم، بیروت 2۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 4425، کتاب الادب

3۔ صحیح البخاری، ج 2، ص 85، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، رقم الحدیث 1312، باب من قام لجنازۃ یہودی، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

"کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے۔ایک جنازہ گزرا۔آپ اٹھ کھڑے ہوئے آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔تو آپ نے فرمایا۔کیا یہ انسان نہیں تھا؟"

قرآن وسنت کے یہ شواہد اس چیز کا واضح ثبوت ہیں کہ ہر انسان، بحیثیت انسان قابل احترام ہے۔اور ایمان کی علامت یہ ہے کہ ہر انسان کو عزت کی نظر سے دیکھا جائے اور انسان ہونے کے ناطے اس کا احترام کیا جائے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ایک صفت میں کوئی انسان دوسرے سے بہتر ہوسکتا ہے۔لیکن مجموعی طور پر اپنے آپ کو کسی سے افضل سمجھنا ایمان کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے مثلاً ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کا نماز پڑھنا بلاشبہ نماز نہ پڑھنے والے سے بہتر عمل ہے۔لیکن وہ یہ بھی نہ سوچے کہ میں ہر حال میں اس سے بہتر ہوں ممکن ہے نماز نہ پڑھنے کے شدید گناہ کے باوجود اس کا کوئی دوسرا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا درجہ اس سے بلند ہو۔اگر اس نے یہ سوچ کر کہ میں نمازی ہوں دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھا تو اس کی یہ سوچ اس کے ایمان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی اور وہ دارین میں خائب و خاسر ہو جائے گا۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

میں بچپن میں رات بھر عبادت و تلاوت کیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ مسجد میں مصروف تھا۔اور ایک گروہ ہمارے گرد خراٹے لے رہا تھا۔میں نے اپنے والد سے کہا کہ یہ لوگ کس قدر بد بخت ہیں اور اللہ کو بھول کر سوئے ہوئے ہیں۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا مر چکے ہیں۔میرے والد گرامی فرمانے لگے۔

اگر تو نیز نحفتی از اں بہ کہ در پوستین خلق افتی

"کہ اگر تم بھی سو جاتے۔اور لوگوں کی پوستین نہ پھاڑتے تو بہتر ہوتا"۔(1)

1۔دانش رومی وسعدی، ص 114، مرتبہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

یعنی لوگوں کو اس طرح حقیر جاننا اللہ کے نزدیک اس قدر برا ہے کہ تمہیں شب بیداری کا وہ ثواب نہیں ملے گا جتنا لوگوں کو حقیر جاننے کا گناہ مل جائے گا۔

جنہیں ایمان کی حلاوتیں مل جاتی ہیں تو وہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ امام سبط جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں شب برات کو سلسلہ رفاعیہ کے بانی حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے آستانہ پر اس وقت ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ میں انسانوں کے اس بحر ذخار کو دیکھ کے بہت حیران ہوا۔ آپ نے میری حیرت کو بھانپ لیا اور فرمانے لگے۔

''میرا حشر ہامان جیسا ہو اگر ایک لمحے کے لیے بھی میرے دل میں یہ خیال گزرا ہو کہ میں ان لوگوں کا پیشوا ہوں''۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے عرفات کے میدان میں عرفہ کی رات لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپ ان لوگوں (حجاج) کا حال کیسے دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر میں ان کے درمیان نہ ہوتا تو سب کے سب بخش دیئے جاتے۔ یعنی بدترین خلق خدا میں ہوں۔ اگر ان کی بخشش نہ ہوئی تو میری شومئی و بدقسمتی کی وجہ سے ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم میں ڈھونڈو کہ جو بنی اسرائیل میں سب سے بہتر ہو۔ انہوں نے ایک شخص کو تلاش کیا جو زہد و ریاضت سے آراستہ تھا۔ پھر خدا کا فرمان ہوا کہ اس شخص سے کہو کہ بنی اسرائیل میں بدترین شخص کو تلاش کرے۔ اس نے تین دنوں کی مہلت مانگی۔ چوتھے روز اپنی گردن میں رسی باندھ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کے بدترین آدمی کو تلاش کر کے لایا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم تو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ عابد و زاہد ہو، ایسا کیوں کہتے ہو۔ اس نے کہا، اس لیے کہ میں اپنے گناہوں کو یقین کے ساتھ جانتا ہوں۔ اور دوسرے کے گناہوں میں مجھے شک ہے اور وہ شخص جس کے گناہوں کا یقین ہو بدتر ہے اس کے مقابلے میں جس کے گناہوں میں شک ہو۔ موسیٰ علیہ السلام پر

Marfat.com

وحی نازل ہوئی۔اے موسیٰ! بنی اسرائیل میں وہی سب سے بہتر ہے اس لیے نہیں کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اُپنے آپ کو بدترین خلق جانتا ہے"۔(1)

انسان دوسروں کو حقیر اسی وقت جانتا ہے جب وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔جس انسان کو یہ سوچ مل گئی کہ وہ دوسروں کو صرف انسان ہونے کے ناطے قابل احترام سمجھنے لگا۔اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھتے ہوئے دوسرے انسانوں کا احترام صرف انسان ہونے کے ناطے کرنے لگا اسے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رضا کی راہوں پر گامزن کر دیا ہے۔

تکریم انسانیت کا درس دیتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان ہم سب کیلئے مشعل راہ ہے۔آپ فرماتے ہیں

"انسان جس سے بھی ملے اسے اپنی ذات سے بہتر سمجھے اور کہے کہ شاید یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بہتر اور مرتبہ میں مجھ سے بلند ہو۔اگر ملنے والا چھوٹا ہے تو کہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور میں نافرمانی کا مرتکب ہوا ہوں۔اس لیے یہ بلاشبہ مجھ سے بہتر ہے اور اگر ملنے والا عمر میں بڑا ہو تو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔اور اگر ملنے والا عالم ہو تو کہے کہ اسے وہ چیز عطا کی گئی جس تک میری رسائی نہیں اور اس نے وہ کچھ پایا ہے جو میں نہیں پا سکا اور اسے وہ علم ہے جو مجھے نہیں۔اور وہ علم کے ساتھ عمل بھی کرتا ہے اور اگر ملنے والا جاہل ہے تو کہے کہ اس نے تو نادانی میں خدا کی نافرمانی کی ہے اور میں جانتے بوجھتے جرم کا مرتکب ہوا ہوں اور مجھے یہ علم نہیں کہ میرا انجام کیسا ہو گا اور اس کا خاتمہ کس حال میں ہو گا؟ اور اگر ملنے والا کافر ہے تو کہے کہ ممکن ہے اسے دولت ایمان نصیب ہو جائے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو اور ممکن ہے میں کافر ہو جاؤں اور میرا خاتمہ برے حال میں ہو"۔(2)

یہی سوچ انسان کو احترام انسانیت کا درس دیتی ہے۔اور یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

آدم کی کسی روپ کی توہین نہ کر پھرتا ہے خدا دنیا میں کئی بھیس بدل کر

1۔مکتوبات صدی،ص 598-599،شرف الدین محمد یحییٰ منیری،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی

2۔فتوح الغیب،ص 142-143،شیخ الاسلام شیخ عبدالقادر جیلانی،دار الکتب العلمیہ،بیروت

Marfat.com

حقیقت دین اور فکری اصلاح

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا١ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ١ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ (الحجرات 12:49)

"اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچ کے رہا کرو۔ بے شک بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں اور عیب نہ تلاش کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی غیبت نہ کرے اور کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اپنے مرنے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے لگے۔ تمہیں یقیناً یہ بات پسند نہیں ہو گی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے"

Marfat.com

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

انسانی زندگی میں اصل حاکم اس کی سوچ اور فکر ہوتی ہے اس کے تمام اعمال اسی سوچ اور فکر کا مظہر ہوتے ہیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ انسان کی سوچ یا اس کی فکر بادشاہ ہوتی ہے اور اس کا جسم اس کا غلام، تو یہ بالکل بجا ہوگا۔ اگر اس کی سوچ یہ ہوگی کہ غربا پروری ایک اچھا عمل ہے تو اس کی پوری زندگی غربا پروری کا نمونہ بن جائے گی اور اگر اس کی سوچ یہ ہوگی کہ لوٹ مار ہی میری زندگی کا مقصد ہے تو اس کی زندگی دھوکا، فراڈ اور کرپشن کی ایک جیتی جاگتی تصویر بن جائے گی۔

اسلام کی ابتدا بھی سوچ اور فکر کی ایک تبدیلی سے ہوتی ہے کہ یہ کائنات محض کسی حادثہ کا نتیجہ نہیں بلکہ اسے ایک حکیم و قادر خالق نے تخلیق فرمایا ہے اور انسان کی پیدائش صرف کسی فطری اصول کی کارفرمائی نہیں بلکہ اسے اس کے رب نے بہترین ساخت پر پیدا فرمایا ہے اور انسان کی تخلیق بلا مقصد اور کھیل تماشہ نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی ایک امتحان ہے کہ انسان قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کا استعمال کیسے کرتا ہے۔ اور ایک دن آئے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا اور اپنی پوری زندگی کا حساب کتاب دے گا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام انسان کو اس کے خالق و مالک کی مرضی سے آگاہ کرتے اور اسکی ناراضی کے اسباب بتانے کیلئے تشریف لائے۔ اس کے فرشتے انسان کے ہر عمل اور اس کے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو لکھ رہے ہیں ایک دن آئے گا جب انسان اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اور زندگی میں کیے گئے اپنے اعمال کا جواب دے گا۔

جب انسان کی سوچ میں یہ تبدیلی آتی ہے۔ تو پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کریم رب کے حضور عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرے جو اس کا خالق و مالک ہے۔ وہ اس کے نام پہ اپنی زندگی کا اثاثہ نچھاور کردے جس کا کرم ہر قدم پہ اس کی دستگیری کرتا ہے۔ تو اس کی اس طلب اور تڑپ کا جواب اسلام "نظام عبادات" کی شکل میں دیتا ہے۔ عبادات اسی وقت عبادات کہلاتی ہیں جب وہ اس سوچ اور تڑپ کا نتیجہ ہوں اگر کوئی اس سوچ اور تڑپ سے محروم ہے

تو اس کی عبادات محض ایک عادت یا رسم بن کے رہ جائیں گی اور اس کی زندگی اسلامی فکر کی مظہر نہیں ہوگی۔

فکر اور اعمال دو متضاد چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ اور آپس میں لازم وملزوم ہیں ان کا آپس میں وہی تعلق ہے جو طلوع آفتاب کا دن سے ہوتا ہے۔ اگر انسان کی فکر یہ ہو کہ یتیم سے محبت بہت بڑی نیکی ہے تو اس کا دست شفقت یقیناً یتیم کے سر تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر وہ یتیم پر شفقت کے حساس جذبات سے محروم ہو اور اس سے اظہار ہمدردی کر کے اس کا مال بٹورنا چاہتا ہو تو اگر وہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے گا بھی تو اسے دست شفقت نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کی تعبیر دھوکا اور دجل وفریب سے کی جائے گی۔

اسلامی اصطلاح میں فکر کو عقائد اور اعمال کو ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے عقائد وارکان آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ارکان، عقائد کا مظہر اور عقائد، ارکان کی بنیاد ہیں۔ جب ایک بندے کا یہ نظریہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو یہ نظریہ اسے گھر سے مسجد لے جائے گا اور اسے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز کر دے گا۔ اور اگر نظریہ ہی نہ ہو تو یہ عمل نماز نہیں کہلائے گا۔ مثلاً ایک غیر مسلم اگر نماز کی مکمل عبارت مسلمانوں کی طرح یاد کرلے اور بالکل اسی طریقے سے نماز پڑھے جس طریقے سے مسلمان پڑھتے ہیں تو اس کا یہ عمل محض ایک عمل ہوگا اسے نماز نہیں کہا جائے گا کیونکہ نماز تو عقائد کا مظہر ہے اگر عقائد ہی مفقود ہیں تو نماز کا وجود کیسے پایا جاسکتا ہے۔ عقائد، اعمال کا سبب اور اعمال، عقائد کا مظہر ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق دونوں دین میں ایک بنیادی یا مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلام میں عقائد وارکان کے لازم وملزوم ہونے اور دونوں پر دین کا مدار ہونے کے باوجود اسلام اصلاً ایک سوچ اور نظریہ ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے عبادات اسی کا مظہر اور اس کی زندگی کی ہر خیر اسی کا عکس ہوتی ہے۔ ایک دانشور نے کہا تھا کہ "استاد کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو ایک علمی سوچ دے دے" اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی استاد کیلئے یہ تو ناممکن ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو ہر کتاب پڑھا دے لیکن جب وہ

اسے ایک علمی سوچ دے دے گا تو پھر شاگرد کا اٹھنا، بیٹھنا اور اس کا ہر عمل اسی سوچ کا غماز ہوگا اور وہ علم کی منزلیں طے کرتا جائے گا۔

استاد گرامی مرتبت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ طلباء سے اکثر فرماتے تھے کہ "ہم نے تمہیں صرف چلنا سکھانا ہے اور دوڑنا تم نے خود ہے" یہ "چلنا" ہی علمی سوچ ہے۔ جس کے مظہر کی کوئی صورت متعین نہیں ہے۔ جسے علمی سوچ مل جائے گی وہ ہر شخص سے علم سیکھے گا اور ہر محفل سے اپنی فکری پیاس بجھائے گا۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

دینی سوچ یا اسلامی فکر کی حقیقت کو "سیاسی سوچ" کی مثال سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ ایک شخص جو سیاسی سوچ کا حامل ہے وہ ہر جگہ سے اپنے سیاسی مقاصد پانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کسی محفل میں جائے، کسی جنازہ و دعا میں جائے یا کسی تقریب میں جائے اس کی ہر بات اس کی سیاسی سوچ کو ظاہر کرے گی۔ ماں اپنے بیٹے سے محبت کرتی ہے اس کا ہر عمل اور ہر رویہ انہیں محبتوں کی داستان سنا رہا ہوتا ہے جس انسان کو دینی سوچ مل جائے گی اس کا ہر عمل اسی سوچ کا عکاس ہوگا۔

اسلامی عبادات دراصل فکر کا مظہر ہیں وگرنہ صرف ایک رسم و عادت بن کر رہ جائیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (1)

1۔ البقرہ 2:177

Marfat.com

”نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ، روز آخر، فرشتوں، (آسمانی) کتاب اور سب انبیاء پر ایمان لائے۔ اور اس کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور قیدیوں پر خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرتا ہے اور وہ جب کوئی عہد کرے تو اسے پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ مشکل، تنگی اور حالت جنگ میں استقامت دکھانے والے ہوتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ تقویٰ والے ہیں“۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ نظریہ اور اسلامی فکر کے بغیر کی گئی عبادت صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کے ہم معنی ہے۔ جب اسلامی سوچ اور فکر اسے مل جائے گی تو پھر اس کی زندگی نیکی اور خیر کا پیکر بن جائے گا وہ خدا کا بھی وفادار ہوگا اور لوگوں کا بھی۔ اور یہی لوگ دعویٰ ایمان میں سچے اور تقوی کی دولت سے مالا مال ہیں۔

قرآن مجید ہمیشہ نظریہ اور سوچ کو اعمال کی بنیاد قرار دیتا ہے ورنہ اعمال صرف ایک رسم رہ جاتے ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ (1)

”ایمان والے صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ نماز ادا کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ

1۔ الانفال 4:8

Marfat.com

سچے مومن ہیں۔ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں بلند درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے"۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اہل ایمان پہلے اپنے رب سے ایک گہرا قلبی تعلق قائم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کے دلوں میں ایک ہلچل مچا دیتا ہے اس کا کلام ان کے ایمان کو جولانیاں بخشتا ہے اور وہ اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر ہی نظر رکھتے ہیں۔یہ سوچ انہیں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ پر ابھارتی ہے۔اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں پانے والے ہوتے ہیں۔

اسلام کی روح ایک سوچ اور فکر ہے۔تمام اعمال اسی سوچ کا مظہر ہیں کہ انسان کے دل میں جب کوئی جذبات موجزن ہوں تو وہ اپنے رویے سے ہی ان کا اظہار کرتا ہے۔اس سوچ کا مظہر صرف عبادات اربعہ تک محدود نہیں ہے بلکہ انسان کی پوری زندگی پر محیط ہونا چاہیے اور یہی اس سوچ کا تقاضا اور اس کی پکار ہے۔یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو اسلامی سوچ اور فکر کا مل جانا اس کی عبادات کی قبولیت کی علامت ہے۔اور ایمان کا ثمرہ ہے ورنہ اس کی عبادات جذبوں سے محروم اور محض ایک رسم بن کے رہ جائیں گی۔

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام میں سوچ و مدار ہے جس کے گرد پورا نظام عبادات گھومتا ہے اور اس کا دائرہ عبادات سے وسیع ہو کر اس کی پوری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے۔جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الدِّيْنَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّيْنَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّيْنَ النَّصِيحَةُ قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لِلّٰهِ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ (1)

1۔سنن ابی داود، ج4، ص441، باب فی النصیحۃ، رقم الحدیث 4946، دار الکتاب العربی، بیروت

''بے شک دین خیر خواہی کا نام ہے، بے شک دین خیر خواہی کا نام ہے، بے شک دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس کیلئے؟ فرمایا۔ اللہ کیلئے، اس کی کتاب کیلئے، اس کے رسول کیلئے، مومنوں کے اماموں اور عام مومنوں کیلئے، مسلمانوں کے اماموں اور عام مسلمانوں کیلئے''۔

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی حقیقت کو کسی عمل کی ادائیگی سے تعبیر نہیں فرمایا بلکہ خیر خواہی سے تعبیر فرمایا جو مکمل طور پر ایک سوچ اور زاویہ نگاہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کیلئے خیر خواہی ہی آئے گی تو یہی جذبہ عبادات کی بجا آوری کا ذریعہ بنے گا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خیر خواہی اور اخلاص آئے گا تو یہی سوچ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روپ دھارے گی اور جب خیر خواہی ہی اہل ایمان کیلئے ہوگی تو اس کا وجود اہل ایمان کیلئے خیر خواہی کا پیکر بن جائے گا۔ اگر جذبہ خیر خواہی نہ ہو تو محض چند عبادات کی رسماً ادائیگی حقیقت دین سے محرومی ہوگی۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا:

يَا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَابُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ الخ (1)

''اے میرے بیٹے! اگر تو صبح وشام اس حال میں کر سکے کہ تیرے دل میں کسی کے بارے میں کھوٹ نہ ہو تو ایسا کر۔ پھر فرمایا اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔

یہاں سنت کی تعبیر دل کو صاف رکھنے سے کی گئی حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ

1۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 46، باب ما جاء فی الاخذ بالسنۃ، رقم الحدیث 2678، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بِوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هٰذَا فِي أُمَّتِكَ لَكَثِيرٌ۔ فَقَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ مِنْ بَعْدِي (1)

''جس نے پاک روزی کھائی۔ سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہے۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! ایسے لوگ تو آپ کی امت میں بہت ہیں فرمایا اور میرے بعد بھی بہت ہوں گے''۔

اسی تناظر میں یہ حدیث پاک بھی ملاحظہ ہو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ أَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ (2)

''سات افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ عدل وانصاف سے یہ فیصلہ کرنے والا حاکم، وہ نوجوان جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزر گئی، وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہوں، وہ دو اشخاص جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک دوسرے سے ملے اور الگ ہوئے، اور وہ شخص جس نے

1۔ المعجم الاوسط، ج4، ص25، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، رقم الحدیث 352، دارالحرمین القاہرہ (1415ھ)

2۔ شعب الایمان، ج6، ص11، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، رقم الحدیث 6972، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

Marfat.com

تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جھلک پڑے، اور وہ آدمی جسے حسب و جمال والی ایک عورت نے دعوت دی تو اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور ایسا شخص جس نے اس طرح خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا"۔

اس حدیث پاک میں جتنا غور کیا جائے گا دین کی حقیقت اتنی ہی واضح ہوئی جائے گی کہ دین کی حقیقت ایک سوچ اور زاویہ نگاہ ہے۔ جب وہ انسان کو مل جائے تو پھر وہ مسند قضا پر بیٹھا ہو تو حق و انصاف پر مبنی فیصلے کرے گا، جوانی کا اندھا پن اسے راہ عبادت سے دور نہیں کرے گا۔ وہ صرف نماز کے وقت ہی مسجد میں حاضری نہیں دے گا بلکہ وہ جہاں بھی ہو گا اس کا دل مسجد جانے کو بیقرار رہے گا۔ اس کی محبت اور نفرت بھی محض اپنی ذات کے خول کے گرد نہیں گھومے گی بلکہ اس کا سبب بھی ذات باری تعالیٰ ہو گی۔ اللہ کی محبت خلوت میں بھی اسے اشکبار کرے گی۔ شدید شہوانی لمحات میں بھی اس کے جذبات اللہ کی محبت میں ڈوبنے کے گواہ ہوں گے۔ اگر ایک شخص نماز تو جماعت کے ساتھ پڑھے لیکن مسجد میں دل پر جبر کر کے جائے تو ایسا شخص ابھی ایمانی حلاوتوں سے مکمل آشنا نہیں ہے جو عمومی حالات میں تو اللہ سے محبت کرے لیکن ہیجانی لمحات میں وہ بھول جائے کہ کوئی میرا رب ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے۔ ابھی اسے حقیقت دین پانے کے لیے بہت کچھ کرنا ہو گا۔ عبادات کی قبولیت کی علامت اور دین کا ثمرہ تو سوچ اور فکر کا درست ہو جانا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا ابھی ایک ایسا شخص آئے گا جو جنتی ہو گا۔ تو انصار میں سے ایک آدمی آیا جس کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس نے اپنا جوتا اپنے بائیں ہاتھ میں اٹھایا ہوا تھا۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دن کی طرح فرمایا جب تیسرا دن ہوا پھر آپ نے ویسے ہی فرمایا۔ پھر وہی آدمی اسی حالت میں ظاہر ہوا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اس شخص کے پیچھے گئے اور اسے کہنے لگے کہ میرا میرے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہ دن آپ کے ساتھ گزار لوں۔ اس نے کہا ہاں! کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کے پاس تین راتیں گزاریں۔ انہوں نے رات کو اس کی خاص عبادت نہیں دیکھی مگر یہ کہ وہ رات کو بستر پر جب بھی پہلو بدلتا تو اللہ کو یاد کرتا یہاں تک کہ وہ نماز فجر کے لیے بیدار ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھلائی کے سوا اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میں اس کے عمل کو حقیر جانتا میں نے کہا اے اللہ کے بندے! میرا، میرے والد کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے اسے چھوڑا ہے لیکن میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ تمہارے متعلق فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس وہ شخص آئے گا جو جنتی ہوگا۔ اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ کے پاس رہوں۔ اور تمہارے عمل کو دیکھوں میں نے آپ میں کوئی خاص عمل تو نہیں دیکھا جس کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس نے کہا بس وہی ہے جو تم نے دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں سے چلنے لگا تو اس نے مجھے بلایا اور کہنے لگا عمل وہی ہے جو تم نے دیکھا علاوہ ازیں۔

لَا اَجِدُ فِی نَفْسِی لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ غِشًّا وَلَا اَحْسُدُ اَحَدًا عَلٰی خَیْرٍ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ هٰذَا الَّتِی بَلَغَتْ بِكَ وَهِیَ الَّتِیْ لَا نُطِیْقُ (1)

''میرے دل میں کسی مسلمان کیلئے کوئی کھوٹ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جو بھی دیا ہے میں اس پر اس سے حسد نہیں کرتا تو حضرت عبداللہ فرمانے لگے بس یہ ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آپ اس مقام تک پہنچے۔ اور جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے''۔

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 20، ص 124، رقم الحدیث 12697، موسسۃ الرسالۃ، بیروت (1420ھ، 1999ء)

Marfat.com

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلام اصل میں سوچ اور فکر کی تبدیلی کا نام ہے اور عبادات اس کا مظہر ہے اگر انسان کی سوچ مثبت نہ ہو تو اس کی عبادات محض رسم قرار پائیں گی سوچ اسلامی ہو جائے تو انسان کو حقیقت، دین نصیب ہو جاتی ہے ورنہ وہ مچھر چھاننے کا تکلف تو کرتا رہے گا لیکن اونٹ پیتے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔

مشکل اور آسانی

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا
فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

(الم نشرح 94:8-5)

''پس بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ تو جب آپ فارغ ہوں تو معروف ہو جائیں اور اپنے پروردگار کی چاہت میں رہیں''۔

Marfat.com

جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے لیکن اس نے اس کائنات کو محض اپنی قدرت سے نہیں چلایا بلکہ ایک نظام کے تحت چلایا ہے اور وہ نظام اللہ تعالیٰ کی سنت کہلاتا ہے۔ اپنی قدرت کے حوالے سے تو وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے لیکن کائنات میں اس نے کچھ قوانین جاری فرمادیئے ہیں اور کائنات کو ان قوانین کے مطابق چلایا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اس چیز پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ بغیر پانی پیئے کسی شخص کو سیراب کردے اور بغیر کھانا کھائے کسی کو سیر کردے لیکن وہ ایسا کرتا نہیں اس کی سنت یہ ہے کہ انسان پانی پیئے گا تو سیراب ہو گا اور کھانا کھائے گا تو سیر ہوگا۔ وہ ان قوانین کا پابند نہیں جب چاہے اپنی قدرت کے اظہار کیلئے ان ضوابط کے بغیر بھی کوئی کام کردیتا ہے جیسے آگ جلاتی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کو گلزار بنادیا گیا بچہ ماں، باپ کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے لیکن اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں، باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ قدرت کے اس اظہار کا سبب شاید یہ ہو کہ اس حقیقت کو واضح کیا جائے کہ کائنات میں اس نے ان قوانین کو عمومی حالات میں جاری تو ضرور فرمایا ہے لیکن وہ ان قوانین کا پابند نہیں بلکہ قوانین اس کے حکم کے پابند ہیں یہ استثنائی صورت اپنی جگہ لیکن عمومی حالات میں کائنات ایک نظام کے تحت چلتی ہے کچھ قوانین کے پابند ہے۔ جنہیں اللہ کی سنت کہا جاتا ہے کوئی بندہ جن میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (1)

"ہماری سنت میں تو کوئی ترمیم نہیں پائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کی وہ سنت یا اس کا جاری کردہ طریق کار جس کے تحت اس نے کائنات کو چلایا ہے۔ ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ یہاں تنگی آسانی کو مستلزم ہے اور آسانی تنگی کا نتیجہ

1۔ بنی اسرائیل 17:77

اور ثمرہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (1)

''پس بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ ہی آسانی ہے۔ تو جب آپ فارغ ہوں تو مصروف (عبادت) ہو جائیں اور اپنے رب کی چاہت میں رہیں''۔

ان آیات طیبات میں عسر اور یسر یعنی تنگی اور آسانی کے باہمی تعلقات کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کے ساتھ ہی آسانی اور مشکل کے ساتھ ہی سہولت پیدا فرمائی ہوتی ہے۔ اور اس میں انسان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے کہ وہ مشکلات میں گھبرائے نہیں بلکہ یقین جانے کہ مشکلات کے بادل چھٹنے والے ہیں اور آسانیوں کی برکھا برسا ہی چاہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نظام میں کوئی ایسی رات نہیں جس کے بعد سپیدہ سحر نہ پھوٹتا ہو اور کوئی ایسی مشکل نہیں جس کے بعد آسانی نہ ہو۔

زندگی میں انسان کے لیے آسانیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور ان کی نسبت مشکلات بہت کم ہوتی ہیں لیکن انسان عموماً آسانیوں کو اپنا حق سمجھ کے روٹین کے معاملات سمجھ لیتا ہے اور مشکل کو کبھی نہیں بھولتا۔ مثلاً اگر اسے کسی رات کسی تکلیف کی وجہ سے نیند نہ آئے تو وہ ہمیشہ اسے یاد رکھتا ہے کہ اس وقت میں اتنی تکلیف میں تھا کہ پوری رات نہ سو سکا۔ لیکن جب وہ ہر رات کو لمبی تان کے گہری نیند سوتا ہے کہ اس نے کبھی اس نعمت کا احساس نہیں کیا کہ میرے رب نے مجھے نیند کی نعمت سے نوازا ہے اگر اس کی کوئی ایک نعمت چھن جائے تو وہ آسمان سر پہ اٹھا لیتا ہے اور ان ان گنت نعمتوں کی طرف نہیں دیکھتا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہوتی ہیں۔

1۔ الم نشرح 94:5-8

Marfat.com

مفسرین کرام نے اسی حقیقت کو بھی انہیں آیات سے مستنبط کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں عسر کا لفظ دونوں جگہ معرفہ استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد ایک ہی عسر یا تنگی ہے اور یسر کا لفظ دونوں جگہ نکرہ استعمال ہوا ہے تو اصول کے مطابق اس سے مراد الگ الگ آسانیاں ہیں۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس سے اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ بہت خوش تھے اور مسکرا رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے۔

لَنْ یَّغْلِبَ عُسْرٌ یُّسْرَیْنِ لَنْ یَّغْلِبَ عُسْرٌ یُّسْرَیْنِ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (1)

"کہ ایک مشکل ہرگز دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، ایک مشکل ہرگز دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے، تنگی کے ساتھ آسانی ہے"۔

علامہ ابن کثیر اس حدیث پاک کی توضیح میں فرماتے ہیں:

وَمَعْنٰی هٰذَا اَنَّ الْعُسْرَ مُعَرَّفٌ فِی الْحَالَیْنِ فَهُوَ مُفْرَدٌ وَالْیُسْرُ مُنَکَّرٌ فَتَعَدَّدَ وَلِهٰذَا قَالَ لَنْ یَّغْلِبَ عُسْرٌ یُّسْرَیْنِ (2)

"اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں عسر دونوں جگہ معرفہ ہے اس لیے دونوں جگہ اس سے مراد ایک ہی عسر ہے اور یسر دونوں جگہ نکرہ ہے اس لیے وہ متعدد ہیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عسر دو یسرون پر غالب نہیں آسکتا"۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایک مشکل دو آسانیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اور ایک تنگی کے ساتھ دو سہولتیں ہوتی ہیں۔ بہر حال فطرت کے قوانین اٹل ہیں کہ یہاں آسانی پانے کیلئے تنگی کی پرخار راہوں سے گزرنا ہوگا اور پھول چنتے ہوئے کانٹوں سے واسطہ ضرور پڑے گا۔

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 4، ص 527، علامہ ابن کثیر الدمشقی، دار الحدیث، القاہرہ

2۔ نفس مصدر، ج 4، ص 537

Marfat.com

معاملات حیات میں تو انسان اس حقیقت کا بہت اچھی طرح ادراک کر لیتا ہے کہ یہاں آسانیاں پانے کیلئے مشکلات کی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی دوکان کو کامیاب کرنے کیلئے دن رات ایک کر دیتا ہے گرمی، سردی کی پرواہ کیے بغیر اور موسم کی کسی ناخوشگواری کو کسی خاطر میں لائے بغیر اس کی کامیابی میں ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں محنت اور مشقت کی راہ ہی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے وہ اپنے بچے کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے اسے ہر قسم کی محنت اور جدو جہد کا عادی بناتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ محنت کرے گا تو کامیاب زندگی گزارے گا ورنہ دردر کی ٹھوکریں کھائے گا۔

دنیوی زندگی میں تنگی اور آسانی کے فلسفہ کو اتنی اچھی طرح سمجھنے کے باوجود وہ اخروی آسانیاں پانے کے لیے اس اصول کو فراموش کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اخروی آسانیاں پانے کیلئے اپنا سب کچھ راہِ مولا میں لٹا دینے کو اپنی سعادت مندی سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ وہی اللہ کے بندے پہاڑی کا چراغ اور زمین کا نمک ہیں لیکن ان کا تناسب شاید سو میں سے ایک بھی نہ ہو۔ بات عمومی سطح پر کی جا رہی ہے کہ بندہ دنیوی آسانی پانے کیلئے مشکلات بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے کیونکہ اسے ادراک ہے کہ یہی آسانیاں پانے کا راستہ ہے لیکن اخروی آسانیاں پانے کیلئے وہ مشکلات برداشت کرنے کا قائل نہیں۔ وہ لفظوں کے ہیر پھیر سے اخروی کامیابیاں پانا چاہتا ہے اور خوش فہمیوں کی ایک ایسی دنیا آباد کر لیتا ہے جو اس کے قوائے عمل کو نہ صرف مضمحل بلکہ تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ جب اسے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر۔ اس کے حضور سجدہ ریز ہو جا اس کے احکامات کی پیروی کر۔ تو وہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے لہذا مجھے عبادت کی مشقتیں اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی بات درست ہے لیکن وہ ایک درست بات سے غلط استدلال کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تو اس کی عبادت کا محرک ہے لیکن اس نے اسی کو بغاوت کا ذریعہ بنا لیا۔ اور عبادت کا مقصد کوئی جنت کا حقدار بننا تو نہیں ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے کا نام ہے۔ ورنہ

بندہ تو پوری زندگی بھی سجدے میں پڑا رہے تو اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ عبادت تو اس کے سامنے عاجزی اور انکساری کرنے کا نام ہے اور راہ عبادت کو ترک کر کے اس نے اللہ کے سامنے اپنی بے بسی کے راستے کو چھوڑ دیا ہے۔

اور اسے یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ رازق نہیں ہے؟ کیا اس نے ہر جاندار کو رزق دینے کا وعدہ نہیں کیا ہے؟ جب رازق بھی وہی ہے اور اس نے ہر جاندار کو رزق دینے کا وعدہ بھی کیا ہے تو آخر میں حصول رزق کیلئے اتنی مشقتیں کیوں اٹھا رہا ہوں؟ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کے باوجود حصول رزق میں کوشش کرتا ہے کیونکہ اللہ کا یہی حکم ہے تو وہ اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے باوجود عبادت بھی کرے تو یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہی بندے کے شایان شان ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ قرب الٰہی کی راہیں انہیں پر کشادہ ہوتی ہیں۔ جو اس راہ پر گامزن ہونے کیلئے اپنی پوری جدوجہد صرف کر دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (1)

"اور جنہوں نے ہماری راہ میں پوری جدوجہد کی۔ ہم یقیناً ان کے لیے اپنے راستوں کی رہنمائی کریں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہیں"۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ قرب الٰہی کی منزلیں انہیں پر کشادہ ہوتی ہیں جو انہیں پانے کیلئے پوری جدوجہد صرف کر دیتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ یہاں طلب کرنے والے کو ملتا ہے اور قدم اٹھانے والے کا ہی استقبال کیا جاتا ہے۔ یہاں عسر کے ساتھ یسر اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطوں سے انحراف کر کے صرف خوش فہمیوں کے بل بوتے پر یا محض لفظوں کے ہیر پھیر سے آسانیاں

1۔ العنکبوت 69:30

پانا چاہتا ہے وہ راہ حق سے دور ہے کسی سچ کے راستے پر گامزن نہیں کیونکہ اللہ کے قانون میں عسر کے ساتھ یسر اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے

ان آیات طیبات کا ایک مفہوم تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں مشکل آسانی تک پہنچاتی ہے وہ آسانی دنیوی ہو یا اخروی اور یہ بات اپنی جگہ پر بالکل درست ہے لیکن ان آیات طیبات کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ عسر کے بعد تو آسانی ہوتی ہی ہے اور تنگی کے بعد تو کشادگی آتی ہی ہے صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ حقیقت میں تنگی میں بھی آسانی اور عسر میں بھی یسر نہاں ہوتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ان آیات میں ''بعد'' کا لفظ نہیں آیا بلکہ ''مع'' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا۔

فان بعد العسر یسرا بلکہ فرمایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

یعنی آسانی صرف تنگی کے بعد ہی نہیں ہوتی بلکہ اس تنگی میں ہی آسانی ہوتی ہے۔ اگر انسان کو نور بصیرت مل جائے تو وہ مشکل میں بہت سی آسانیاں دیکھ لیتا ہے اور اسے عسر میں بہت سے یسر نظر آتے ہیں۔

اس کا ایک مظہر تو اخروی لحاظ سے ہے اور ایک دنیوی لحاظ ہے۔ اخروی لحاظ سے یہ کہ بندہ مومن پر جو مشکل، مصیبت یا ابتلاء آتی ہے اللہ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے رفع درجات کا سبب بنا دیتا ہے۔ یعنی انسان تو دیکھتا ہے کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوں لیکن اسی وقت اسی مصیبت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو رہے ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہو رہے ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَایُصِیْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا ھَمٍّ وَلَاحُزْنٍ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ عَنْہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ حَتَّی الشَّوْکَۃَ یُشَاکُھَا(1)

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج4، ص118، علامہ ابن کثیر، دار الحدیث، القاہرہ

Marfat.com

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ مومن کو کوئی دکھ، تکلیف، غم یا پریشانی نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے (تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کے گناہوں کو معاف کرنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے)''۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا مِنْ شَیْءٍ یُصِیْبُ الْمُؤْمِنَ فِیْ جَسَدِهٖ یُؤْذِیْهِ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِهٖ مِنْ سَیِّاٰتِهٖ (1)

''کسی مومن کے جسم میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس آیت کی خبر نہ دوں جو اللہ کی کتاب میں سب سے افضل ہے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ (2) کی تفسیر میں فرمایا: اے علی! تم پر جو مصیبت آتی ہے یا تمہیں کوئی سزا ملتی ہے یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ تمہیں آخرت میں دوبارہ پھر سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ حلیم ہے کہ وہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ سزا دے''۔(3)

ربیع بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا کہ اللہ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس نے مجھے غمزدہ کر دیا ہے انہوں نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا وہ یہ ہے۔

1۔ نفس مصدر، ج4، ص118
2۔ الشوریٰ 30:42
3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج28، ص107، رقم الحدیث 16899، موسسۃ الرسالۃ، بیروت (1420ھ)

Marfat.com

مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ (1)

''جس شخص نے کوئی بھی برائی کی اسے اس کی سزا دی جائے گی''۔

وہ فرمانے لگے میں تمہیں فقیہ سمجھتا تھا۔ بے شک مومن پر جو مصیبت آتی ہے خواہ اس کا پاؤں پھسلے یا اسے کوئی پریشانی ہو یا اسے کسی لکڑی سے خراش آئے وہ اس کے کسی نہ کسی گناہ کے سبب سے آتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرمادے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے''۔(2)

ان روایات سے واضح ہو رہا ہے کہ مومن پر جو بھی مشکل آتی ہے وہ اس کے لیے اسی وقت کفارہ سیات بن رہی ہوتی ہے اور یہ تنگی اس کے لیے آسانیوں کا ذریعہ بن رہی ہوتی ہے۔

دنیوی لحاظ سے تنگی کے ساتھ آسانی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان پر جو بھی مشکل آتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسی میں آسانیاں بھی رکھی ہوتی ہیں اور عسر میں یسر کا سامان موجود ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ انسان چشم بصیرت پیدا کرے اور تنگی میں نہاں آسانی اور عسر میں مخفی یسر دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔

مثلاً اپنے اوپر کی گئی تنقید سے ان کمزوریوں کو ختم کرنا جو باعث تنقید بنی ہیں۔ جب کسی پر تنقید کی گئی تو اب اس کے سامنے دو راستے تھے یا تو وہ تنقید سن کر بھڑک اٹھتا اور تنقید کرنے والے پر حملہ آور ہو جاتا یا وہ اس تنقید کو مثبت سوچ سے لیتا اور اسے اپنی اصلاح کا ذریعہ بنالیتا۔ جو شخص تنقید کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنالے وہی عسر میں یسر دیکھنے کی صلاحیت کا مالک ہے۔

مسلکی مخالفین کی تنقید بھی اپنے اندر ایک یسر کا پہلو رکھتی ہے اور وہ یہ کہ مخالف مسلک ہی انسان کے لیے اعتدال پہ رہنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔ اگر لوگ ایک دوسرے پر تنقید کرنا چھوڑ دیں تو شاید لوگ حدیں ہی عبور کر جائیں۔ دشمن کا حملہ بھی کبھی ایک منتشر قوم کو متحد

1۔ النساء، 123:4 2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 12، ص 253، مکتبۃ الرشد، ریاض

کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ کبھی بیماری انسان کو تکبر اور سرکشی سے روکنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کبھی انسان کی ناکامی اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ اپنی ذات کا ایسا تجزیہ کر لیتا ہے کہ وہ پوری زندگی کامیابی کی راہوں پر گامزن رہتا ہے۔ کبھی اسلام کی مخالفت میں لکھی گئی کتاب ہی لوگوں کو اسلام کو سمجھنے کا موقع فراہم کر دیتی ہے۔

حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فرمان کا مفہوم یہ ہے

"مصائب و آلام اتنے برے نہیں ہوتے جتنے برے ہونے کا ان پہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کبھی یہ کسی منتشر قوم کو یکجا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور کبھی بھٹکے ہوؤں کو سوئے منزل گامزن کر دیتے ہیں پھولوں سے وہ کانٹے بہر حال بہتر ہوتے ہیں جو کسی منتشر قوم کو متحد کر دیں یا کسی سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیں"۔

اللہ کے قانون میں ناکامی کامیابی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مخالف کی تنقید اصلاح کے بہت سے سامان اپنے جلو میں لیے ہوئے ہوتی ہے۔ کوئی بیماری انسان کو بہت کچھ سوچنے کے مواقع فراہم کرتی ہے اور ہر دکھ اپنے اندر ایک سکھ بھی رکھتا ہے۔ لیکن عسر میں یسر دیکھنے کا ملکہ اور تنگی میں آسانی دیکھنے کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے جیسا کہ اسی مقام پر آخر میں فرمایا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ اور جب تو فارغ ہو جا اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔

رجوع الی اللہ عسر میں یسر دیکھنے کے دروازے کس طرح کھولتی ہے۔ اس کا اندازہ اس مثال سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جبریل امین نے حضرت ایوب علیہ السلام سے بعد صحت دریافت کیا کہ مرض میں آپ کا کیا حال تھا۔ اور اب کیا ہے۔ فرمایا کہ جو مزہ بیماری میں تھا وہ تندرستی میں نہیں ہے۔ بیماری میں ہر صبح کو حضرت حق سے آواز آتی تھی کہ اے ایوب علیہ السلام کیسے ہو اس سے نشہ میں شام تک مست رہتا تھا اور شام کو بھی ایک آواز ایسی ہی آتی تھی کہ صبح تک مستی رہتی تھی بعد صحت

Marfat.com

کے یہ آواز کبھی نہیں آئی''۔(1)

الغرض اللہ تعالیٰ کے قانون میں ہر عسر یسر کا پیش خیمہ ہے شرط صرف یہ ہے کہ انسان رجوع الی اللہ سے چشم بصیرت وا کرلے۔

1۔امداد المشتاق، ص 116، ملفوظات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اسلامی کتب خانہ، لاہور

Marfat.com

زبان خلق، نقارہ خدا

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ
الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم 19:96)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو
اللہ (لوگوں کے دلوں میں) ان کیلئے محبت پیدا کر دے گا''۔

Marfat.com

حقیقت کچھ تو ہوتی ہے یقیناً
کہیں ویسے بھی افسانے بنتے ہیں

☆☆☆☆☆

بھلا کہے جسے دنیا اسے بھلا جانو
زبان خلق کو نقارۂ خدا جانو

Marfat.com

کالی گھٹاؤں کی تاریکی ہر لمحہ بڑھ رہی تھی، بادلوں کی گرج سے دل دھک کر رہے تھے اور یہ بات سمجھنی ذرا بھی مشکل نہ تھی کہ ابھی طوفان بادوباراں آنے والا ہے۔ لوگ تیز تیز اپنے گھروں کا رخ کر رہے تھے۔ ایک شخص ہر چیز سے بے پرواہ اور ہر خوف سے بے نیاز ایک بہت بڑے درخت کے نیچے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ ایک شخص اس کے پاس سے گزرا اس نے اسے کہا طوفان آنے والا ہے یہاں سے ہٹو اور فوراً اپنے گھر چلے جاؤ۔ اس شخص نے بڑے تحمل سے اسے کہا اللہ تعالیٰ مجھے بچالے گا۔ اس کی بات کو کوئی وقعت نہ دیتے ہوئے وہ وہیں کھڑا رہا پھر دوسرا شخص گزرا اس نے بھی اس کی حالت پر تعجب کرتے ہوئے بڑے درد سے اسے کہا گھر چلے جاؤ بہت سخت طوفان آرہا ہے اس نے کہا اللہ مجھے بچائے گا۔ تیسرے شخص نے بھی گزرتے ہوئے اسے ایسا ہی کہا اور اس نے وہی جواب دہرایا جو پہلے دو کو دے چکا تھا۔

چند لمحات گزرے بہت سخت طوفان آیا درخت کا ایک ٹہنا ٹوٹا اس کے سر پہ لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لوگوں میں جب اس کی موت کی خبر پھیلی تو وہ سب اس نکتہ پہ غور کرنے لگے کہ جب وہ اللہ کے سہارے وہاں کھڑا تھا اور اسے اللہ کی ذات پر اتنا یقین تھا اور وہ بار بار یہی جواب دے رہا تھا کہ مجھے اللہ بچائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بچایا کیوں نہیں؟ اسی دوران ایک صاحب بصیرت درویش بھی وہاں آگئے۔ لوگوں کی باتیں سن کر اور ان کے تعجب کو بھانپ کے وہ کہنے لگے کہ بھئی! اللہ نے اسے تین مرتبہ بتایا کہ یہاں سے چلے جاؤ طوفان آرہا ہے۔ لیکن اس نے اللہ کی سنی ہی نہیں۔

یہ دنیا عالم شہادت ہے یہاں اللہ تعالیٰ کبھی بھی انسان کے سامنے آ کے کوئی بات نہیں کرے گا یہاں ہر چیز کسی سبب کے پردہ میں ظاہر ہو گی۔ اور اللہ کی ہر قدرت پر ایک اشتباہ کا پردہ ڈال دیا جائے گا۔ کسی شخص کے بارے میں اللہ اپنی مرضی کا اظہار بھی بندوں کی وساطت سے ہی کرے گا یہاں خدا کی آواز، آواز خلق کے روپ میں ہی بلند ہو گی۔ عند اللہ

Marfat.com

کسی کے مقام و مرتبہ کا اظہار صدائے خلق کی صورت میں ہی ہوگا اور لوگ ہی پردہ غیب میں چھپی حقیقتوں کا مظہر ہوں گے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (1)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ''۔

یہ آیہ کریمہ دیگر مفاہیم کے ساتھ ساتھ آوازِ خلق کی اہمیت بھی اجاگر کر رہی ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی آواز زبان خلق کی صورت میں بلند ہوتی ہے اور اللہ کی مرضی یا ناراضی کی گواہی لوگ ہی دیتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ آپ نے فرمایا اس میت کے بارے میں کیا خیال ہے تو لوگوں نے عرض کیا۔

مَا عَلِمْنَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاَثْنُوْا عَلَيْهِ خَيْرًا فَقَالَ وَجَبَتْ قَالَ ثُمَّ مَرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ اَثْنُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا بِئْسَ الْمَرْءُ كَانَ فِي دِيْنِ اللهِ فَقَالَ وَجَبَتْ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ (2)

''یہاں تک ہم جانتے ہیں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا تھا اور لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ تو آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ گزرا آپ نے اس کے متعلق پوچھا لوگوں نے کہا اللہ کے دین میں بہت برا آدمی تھا۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی کیونکہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو''۔

ایک اور مقام پر اس روایت کی وضاحت ہے

کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں موقعوں پر فرمایا ''وجبت'' کہ واجب ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

فَدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ مَرَّ بِجَنَازَةٍ فَاُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتَ وَجَبَتْ وَمَرَّ

1۔ البقرہ 143:2　　2۔ السنن الکبریٰ، ج 4، ص 75، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، باب الثناء علی المیت، رقم الحدیث 7436، مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد

Marfat.com

بِجَنَازَةٍ فَاُثْنِیَ عَلَیْھَا شَرًّا فَقُلْتَ وَجَبَتْ فَقَالَ مَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ خَیْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ (1)

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پہ قربان! جب وہ جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی تو آپ نے فرمایا واجب ہوگئی، اور جب وہ گزرا جس کی لوگوں نے مذمت کی تو آپ نے پھر بھی فرمایا واجب ہوگئی، (اس سے مراد کیا ہے؟) تو آپ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی اس پر جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے مذمت کی اس پر دوزخ واجب ہوگئی کیونکہ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو''۔

یہاں اللہ کی آواز مخلوق کے روپ میں ہی سنائی دیتی ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی عرض کرتے ہیں۔

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ فاجر گیا

غرض کی محبت، محبت نہیں ہوس ہے، ڈر کی عقیدت، عقیدت نہیں بزدلی ہے۔ مادی مفادات سے اوپر اٹھ کر اگر مخلوق کسی سے محبت کرتی ہے تو دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہی اظہار ہے اور اگر مخلوق کسی شخص کو برا جانتی ہے تو یہ اللہ کے نزدیک اس کے برا ہونے کی علامت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ قَدْ اَحْبَبْتُ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُنَادٰی فِی السَّمَاءِ ثُمَّ تَنْزِلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِیْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ (اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا) وَاِذَا اَبْغَضَ اللّٰهُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ اَبْغَضْتُ فُلَانًا فَیُنَادٰی فِیْ

1۔ سنن النسائی، ج 4، ص 351، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی، باب الثناء، رقم الحدیث 1931، دارالمعرفۃ، بیروت (1420ھ)

السَّمَاءِ ثُمَّ تُنَزَّلُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ قَالَ أَبُو عِيْسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (1)

''جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں پھر آسمان میں اس کی منادی کردی جاتی ہے پھر زمین والوں کے دل میں اس کی محبت پیدا کردی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے (بے شک جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اللہ تعالیٰ ان کیلئے محبت پیدا فرمادے گا) اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے نفرت فرماتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں پھر آسمان میں اس کا اعلان کردیا جاتا ہے۔ اور پھر زمین والوں کے دل میں اس کی نفرت ڈال دی جاتی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

اس حدیث پاک سے واضح ہورہا ہے کہ اس دنیا میں اللہ کی محبت کا اظہار مخلوق کی محبت سے ہوگا۔ اور اللہ کے بغض کا اظہار مخلوق کے بغض سے ہوگا اگر مخلوق خدا کسی سے نفرت کرنے لگے تو وہ جبر، مکروفریب اور طاقت کے بل بوتے پر اسے خاموش نہ کروائے کیونکہ یہ ڈگر اس کے لیے اور تباہی کا باعث ہے۔

وہ مطمئن کہ سب کی زباں کاٹ دی گئی
ایسی خاموشیوں سے مگر ڈر لگے مجھے

وہ انہیں خاموش کروانے کی بجائے ان کے روپ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک آدمی نے کہا۔ اللہ کی قسم میں اللہ کی اتنی عبادت کروں گا کہ جس سے میرا ذکر کیا

1۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 317، باب من سورۃ مریم، رقم الحدیث 3161، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

جائے تو وہ نماز کے وقت ہمیشہ نماز پڑھنے میں مشغول ہوتا۔ وہ مسجد میں سب سے پہلے داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا۔ لیکن کوئی بھی اس کی تعظیم نہ کرتا وہ سات مہینے اسی طرح مشغول عبادت رہا۔ وہ جب بھی لوگوں کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے اس ریا کار کو دیکھو اس نے اپنے دل میں اس بات پر غور کیا۔ کہ میرا ذکر برائی سے ہی کیوں کیا جاتا ہے۔ اب میں خالص اللہ کی رضا کیلئے ہی اس کی عبادت کروں گا اس نے اپنا ارادہ بدل لیا کہ عبادت اپنا ذکر کروانے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کروں گا۔ لیکن عمل اتنا ہی کرتا رہا جتنا پہلے تھا۔ اب حالت یہ تھی۔

فَكَانَ يَمُرُّ بَعْدُ بِالْقَوْمِ فَيَقُوْلُوْنَ رَحِمَ اللّٰهُ فُلَانًا الْآنَ (1)

"جب وہ کسی بھی قوم کے پاس سے گزرتا۔ تو لوگ کہتے۔ اب اللہ فلاں پہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے"۔

اس دنیا میں آواز خلق ہی نقارۂ خدا ہوتی ہے اگر وہ بندہ مخلوق کی اس آواز کو منفی سوچ سے لیتا اور لوگوں پر جاہل، متعصب اور بدگمان ہونے کے فتوے جاری کر دیتا۔ تو ظاہر ہے وہ اللہ کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتا۔ اور اللہ کے نزدیک مبغوض ہونے کے باوجود مخلوق میں محبوب ہونے کی کوشش کرتا۔ اور یہ یقیناً ممکن نہیں تھی۔ یونہی اس نے اپنی نیت کا قبلہ درست کیا، رضائے الٰہی کا طالب بنا۔ تو اسے اللہ کی محبت نصیب ہوگئی اللہ کا محبوب بنا تو خلق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی گئی۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ مخلوق کے روپ میں اپنی محبت یا نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ جس نے مخلوق کے رویوں سے عند اللہ اپنے مقام و مرتبہ کا پتہ لگا لیا وہی صاحب بصیرت ہے۔ جو اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکا وہ نور ایمان سے محروم ہے۔

اس تناظر میں یہ روایت بھی مشعل راہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 3، ص 137، علامہ اسماعیل ابن کثیر، دار الحدیث، القاہرہ

Marfat.com

فَيَقُوْلُ يَارَبِّ وَكَيْفَ اسْتَطْعَمْتَنِي وَلَمْ أُطْعِمْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ فَقَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا اِسْتَطْعَمَكَ فَلَمْ تُطْعِمْهُ، أَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِي يَابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تُسْقِنِي فَقَالَ يَارَبِّ وَكَيْفَ اسْقِيْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَقَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا اِسْتَسْقَاكَ فَلَمْ تُسْقِهِ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ كُنْتَ سَقَيْتَهُ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِي يَا ابْنُ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي فَقَالَ يَارَبِّ وَكَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَقَالَ أَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَوْ كُنْتَ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِي أَوْ وَجَدْتَّنِي عِنْدَهُ (1)

"(قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ ایک شخص سے فرمائے گا اے ابن آدم! تجھ سے میں نے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ تو مجھے کھانا کھلاتا تھا تو میں تجھے کیسے کھانا کھلاسکتا تھا اور تو تو پورے جہانوں کا پالنہار ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! تجھ سے میں نے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا میرے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو عالمین کا رب ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا تو نے میری عیادت ہی نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں تیری کیسے عیادت کرتا جب کے تو تو عالمین کا رب ہے اللہ

1۔ مسند اسحٰق بن راہویہ، ج 1، ص 115، اسحاق ابن راہویہ الحنظلی، مکتبۃ الایمان، المدینۃ المنورہ (1414ھ، 1991ء)

تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو وہ چیز میرے پاس پاتا، یا تو مجھے بھی وہاں موجود پاتا''۔

یہاں مخلوق کی صدا ہی اللہ کی آواز ہوتی ہے جس سے خلق خدا بغیر کسی دنیوی لالچ یا مادی مقصد کے محبت کرے تو ان کی محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہی مظہر ہوتی ہے اور مخلوق کی ایسی ہی نفرت اللہ تعالیٰ کی نفرت کا اظہار ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ایک شخص بہت بڑا دھوکے باز اور مکار ہوتا ہے وہ مذہبی یا کسی بھی ایسے روپ میں ظاہر ہوتا ہے کہ جس سے بندوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے یا وہ فائدہ پہنچانے کا مدعی ہوتا ہے تو مخلوق خدا اس پہ دل و جان سے فدا ہو جاتی ہے اور اس سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے۔ اور اللہ کے نزدیک تو وہ مبغوض ترین اشخاص میں سے ہوتا ہے لیکن مخلوق میں اس کی محبت بڑی شدت سے پائی جاتی ہے تو آخر زبان خلق نقارہ خدا کیسے ہوئی؟

جواباً گزارش ہے کہ جس زبان خلق کو نقارہ خدا کہا گیا اس سے مراد کسی دھوکہ باز یا مکار انسان کی محبت نہیں کیونکہ اس سے مراد تو وہ محبت ہے جو بغیر کسی دنیوی لالچ اور ہوس کے محض اللہ کیلئے کی جاتی ہے اور یہ محبت ہمیشہ اور تا ابد ہوتی ہے جیسے اہل اللہ کی محبت ہے جس میں کبھی کمی نہیں ہوتی اور وہ آئے روز بڑھتی ہی جاتی ہے۔

کسی مکار یا دھوکے باز شخص سے محبت اپنے مطلب کی بناء پر کرتے ہیں یہ محبت اس کی نہیں بلکہ اپنے مطلب کی ہوتی ہے اگر مطلب حاصل ہو گیا تو محبت ہے ورنہ محبت ختم۔ اور یا یہ جہالت کی بنا پر ہوتی ہے یونہی جہالت کا پردہ اٹھا محبت کی جگہ نفرتوں کے آلاؤ بھڑک اٹھے جبکہ جو محبت، محبت الٰہی کا مظہر ہوتی ہے وہ سرمدی محبت ہوتی ہے جس کے اظہار میں سدا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ لوگ وقتی طور پر اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہوں۔

اس دنیا میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس طرح محبت نہیں کی گئی جیسے اس دور کے لوگوں نے شاہان وقت یا قوم کے سرداروں سے محبت کی لیکن انبیاء کرام کو اذیتیں دی گئیں

Marfat.com

اوران میں سے بعض کوشہید تک کردیا گیا۔تواس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں تھے اور بادشاہوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا تھا کیونکہ اس وقت مخلوق کے رویے یہی تاثر دے رہے تھے بلکہ حقیقت اس کے برعکس تھی کیونکہ یہاں آواز خلق نقارہ خدانہیں تھی بلکہ حقیقت کاادراک نہ کرنے والی اور ایک بہت بڑے دھوکے میں مبتلا تھی اس کی دلیل یہ ہے یونہی مخلوق کی آنکھوں سے پردہ اٹھالوگوں نے ان انبیاء کرامؑ سے بھی ٹوٹ کرمحبت کی جنہیں اس وقت لوگوں نے شہید کردیا تھالیکن ان بادشاہوں سے محبت کرنے والا کوئی ایک بھی موجودنہیں جنھوں نے انبیاء کرام کوشہید کروایا تھا۔حضرت زکریا علیہ السلام کوشہید کردیا گیالیکن آج ان سے محبت کرنے والے اربوں انسان موجود ہیں لیکن اس وقت کے محبوب افرادیعنی شاہان وقت سے ایک بندہ بھی محبت کرنے والاموجودنہیں۔

زبان خلق واقعی نقارۂ خداہوتی ہےلیکن مخلوق کسی دھوکے میں یاکسی لالچ میں مبتلانہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی جس محبت کا مظہر مخلوق ہوتی ہے وہ بغیر کسی دنیوی لالچ کے ہوتی ہے اور سرمدی ہوتی ہے۔

اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہورہی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ مخلص لوگوں کی آواز پر کان دھرے۔مخلوق خدا کی آواز کودبائے نہیں بلکہ انہیں خدا کی آواز سمجھے۔اگر چند مخلص لوگ اسے کسی کام سے منع کرر ہے ہوں تواسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کوحرف آخرنہ سمجھے بلکہ ان بندوں کواللہ کی آواز سمجھے۔کیونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ خودآکرآوازنہیں لگائے گا بلکہ مخلوق کی آوازہی خدا کی آوازہوگی بندہ یہ حقیقت کبھی فراموش نہ کرے کہ یہاں کسی فقیر کی آستیں سے باہرآنے والاہاتھ شاید اللہ کے ہاتھ کاہی روپ ہواورکسی غریب لیکن مخلص شخص کی آوازشاید اللہ کی ہی آوازہو۔

آدم کے کسی روپ کی توہین نہ کر

پھرتا ہے خدا دنیا میں کئی بھیس بدل کر

انسان اور اس کے خول

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ (الروم 32:30)

"ہر گروہ اسی پر نازاں ہے جو اس کے پاس ہے"۔

Marfat.com

اس کے ہاتھوں پر پڑے چھالے مشقت سے مگر
کتنے خوش ماں باپ ہیں بچہ کمانے لگ گیا

☆☆☆☆☆

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

کہتے ہیں کہ ایک یہودی اور مسلمان کا جھگڑا ہو گیا۔ دونوں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے کہ مسلمان نے اپنی صداقت پہ اپنے تئیں سب سے بڑی دلیل دیتے ہوئے کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے یہودی کر کے مارے۔ یہ اس کے نزدیک اپنے سچا ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ اگر میں جھوٹا ہوں اور خواہ مخواہ ایک غلط بات پہ ڈٹا ہوا ہوں اللہ تعالیٰ میرا ایمان سلب کر لے اور مجھے ایک یہودی کی موت مار دے۔ یہودی نے یہ سنا تو کہنے لگا اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے مسلمان کر کے مارے جیسے مسلمان کے نزدیک ایمان سب سے بڑی دولت ہے اسی طرح ایک یہودی کے نزدیک یہودیت سب سے بڑی دولت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان سوچ کو اپنائے ہوئے جس عقیدہ، مسلک یا مذہب پر عمل پیرا ہے وہ اس کو سچ اور حق سمجھتا ہے انسان کسی نظریہ یا عقیدہ کے اپنانے میں بہت سے خولوں میں بند ہوتا ہے۔ انسان کا گھریلو ماحول، اس کی تعلیم و تربیت، اسے پیش آنے والے حالات واقعات یہاں تک کہ اس کا علاقہ اور جسمانی ہیئت بھی اس کی سوچ پر اثرانداز ہوتی ہے۔ مناظرانہ ماحول میں پلنے والا ذہین ترین عالم دین بھی وسیع دینی سوچ کا حامل نہیں ہو سکتا۔ محدود ماحول میں رہنے والے انسان کی سوچ محدود ہو جاتی ہے۔ اور وسیع ماحول میں رہنے والے انسان کی سوچ میں وسعت آجاتی ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ ان خولوں سے اوپر اٹھ کر حق کو دریافت کرے۔ قرآن کریم میں انسانی ساخت کے اس پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ (1)

"آپ فرمائیے، کہ ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہے اور تمہارا رب ہی بہتر

1۔ بنی اسرائیل 84:17

Marfat.com

جانتا ہے کہ کون زیادہ ٹھیک راستے پر ہے"۔

انسان اپنی دنیا میں مگن رہتا ہے اور جو اس کے پاس ہے اسی پر شاداں و فرحاں رہتا ہے اگر چہ وہ زہر ہلاہل کو آب حیات کو ہی اور لٹیروں کو ہی راہبر ورہنما سمجھے ہوئے ہو۔ قرآن مجید میں انسان کی اسی محدود سوچ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ (1)

"ہر گروہ اسی پر نازاں ہے جو اس کے پاس ہے"۔

انسانی خول بالکل بجا، اس کی سوچ کی محدودیت مسلم اور اس کے ماحول اور معاشرہ کی بنیاد پر بننے والی اس کی سوچ ایک ناقابل انکار حقیقت۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان ان خولوں میں اسطرح بے بس ہے کہ وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا؟ یا ان محدود خولوں میں اس طرح مقید ہے کہ وہ حق کو پانے کی صلاحیتیں کھو چکا ہے؟

ایسا نہیں ہے ورنہ بعثت انبیاء اور دعوت وارشاد کے تمام احکامات عبث ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ سب خولوں کو توڑ کے حق پانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے اور محدودیتوں کے تمام آہنی شکنجے توڑ کے طلب حق کی وسیع وعریض فضاؤں میں پرواز کر سکتا ہے یہی اس کی عظمت کی بنیاد ہو گا ورنہ وہ انسانی صلاحیتوں سے بے بہرہ اور حیوانی سطح پہ زندگی بسر کرنے والا ہو گا۔ کافروں کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتے تھے۔ اور تقلید آبا کے خول سے اوپر اٹھ کر نہیں سوچتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ (2)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی

1۔ الروم 32:30 2۔ البقرہ 170:2

Marfat.com

ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے خواہ ان کے آباء واجداد نہ عقل سے کام لیتے ہوں نہ صحیح راستے پر چلتے ہوں"۔

جو شخص عقل وشعور کی آواز پر لبیک نہ کہے اور اسی خول سے چمٹا رہے جو اسے بچپن سے ملا ہے تو یہی لوگ شرف انسانیت کھو کر حیوانی سطح پہ جینے والے ہوتے ہیں۔ انہیں کافروں کے متعلق فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (1)

"کافروں کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جو کسی ایسے شخص کے لیے چیختا چلاتا ہے جو چیخ وپکار کی صدا کے سوا کچھ بھی نہیں سن سکتا۔ یہ لوگ بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لیے عقل والی کوئی بات کر ہی نہیں سکتے"۔

شرف انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خول پہ قانع ہو کے نہ بیٹھ جائے اور اپنے دل کو کسی بھی اور بات کے کیلئے بند نہ کر دے جیسا کہ یہود کے متعلق فرمایا گیا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (2)

"انہوں نے کہا ہمارے دلوں پر پردے ہیں۔ (ایسا نہیں ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باعث انہیں لعنت کی ہے تو یہ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں"۔

یعنی یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم ہمیں جتنی بھی اسلام کی دعوت دیتے رہو ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے دل میں یہودیت اس طرح رچ بس چکی ہے کہ اس میں کوئی اور چیز داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے حق کے

1۔ البقرہ 171:2 2۔ البقرہ 88:2

Marfat.com

جھٹلانے اور اپنے خول کو پورا جہان سمجھنے کے سبب اللہ نے تم پر لعنت فرمائی ہے اور تمہیں ایمان قبول کرنے کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔

انسان کو ہر موقع پر طالب حق رہنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ ذات باری تعالیٰ کے سب سے بڑے عارف ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز سکھا دی جو آپ نہیں جانتے تھے اور علوم لوح و قلم آپ ﷺ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ (1)

''اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا دے اور اس کی پیروی کرنے والا بنا دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُنَا عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یَقُوْلُ فِیْ دُعَائِہٖ، اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (2)

''کہ نبی کریم ﷺ اپنی دعا میں یہ بھی عرض کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں چیزیں ویسی دکھا جیسی کہ وہ ہیں''۔

حامل علوم ماکان و مایکون ﷺ کی یہ دعا دیگر مفاہیم کے ساتھ ساتھ انسان کو یہ تعلیم دینے کے لیے ہے کہ وہ کسی خول میں مقید ہو کے نہ رہ جائے بلکہ حقائق اشیاء اور طلب حق کا مشتاق رہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنی محبت کا چراغ بھی اسی لیے روشن کیا تھا کہ وہ محدود خول سے اوپر اٹھ کر حق کا ادراک کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ تفسیر روح البیان، ج 6، ص 294، اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ التفسیر الکبیر، ج 1، ص 1884، امام فخر الدین رازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَۙ (۱۷۲) اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (۱۷۳) وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (۱۷۴)

"اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اکٹھا کیا اور ان سے انہیں کے سامنے اقرار کروایا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں؟ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں (یہ عہد اس لیے لیا) کہ تم قیامت کے دن یوں نہ کہہ سکو کہ ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں تھا۔ یا یوں کہو کہ ہمارے باپ دادا تو پہلے ہی سے مشرک تھے اور ہم تو ان کے بعد آنے والی اولاد تھے اور کیا تو ہمیں اس کام کے بدلے تباہ کرے گا جو اہل باطل نے کیا تھا اور ہم اسی طرح آیات کی تفصیل بتاتے ہیں تاکہ وہ لوٹ آئیں"۔ (1)

ان آیات طیبات سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنی توحید کا اقرار اسی لیے کروایا تھا کہ انسان آبا پرستی کے خول کو توڑ کے حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اور یہ نہ کہے کہ میرے آباو اجداد مشرک تھے اسی وجہ سے میں بھی اسی راستے پر چل پڑا لہٰذا میں بے قصور ہوں۔

انسان کا بہت سے خولوں میں مقید ہونا ایک حقیقت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ جب طلب صادق لیکر، رسم رواج، خواہشات اور مفادات پر حق کو ترجیح دیتے ہوئے وہ ان خولوں سے باہر آنا چاہتا ہے تو باہر آسکتا ہے یہ خولوں کی حقیقت سے بھی بڑی حقیقت ہے لیکن یہ ذات پرست اور کم ہمت لوگوں کا کام نہیں بلکہ طلب حق میں سب کچھ قربان کر دینے والے مرد حق کا کام ہے۔

1۔ الاعراف 7:172-174

Marfat.com

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

خول توڑ کے حقیقت کو پانے کی بہترین مثالوں سے ایک مثال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جس کی داستان انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''المنقذ من الضلال'' میں درج کی ہے۔

ان کی یہ داستاں ایک طالب حق کیلئے ہر پہلو سے خضر راہ ہے۔

دیکھیں، وہ کس طرح خولوں کو توڑ کے حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ وہ ایک بہت بڑے جامعہ میں ایک کلیدی عہدہ پر فائز ہیں۔ ہزاروں شاگردان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے پر نازاں ہیں۔ عموماً تو انسان کوئی ایسا کام کرنے کا سوچتا بھی نہیں جو اس کے اعلیٰ منصب سے ہٹ جانے کا سبب بنے۔ اور ہزاروں شاگردوں کے ہوتے ہوئے حق پانے اور یقین کی منزلیں طے کرنے کیلئے انہیں چھوڑ کے صحرانوردی اختیار کرنا کسی باہمت انسان کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

ان حالات میں امام غزالی نے انسانی خولوں کی لرزادینے والی حقیقت پہ غور کیا اور پھر ان خولوں سے اوپر اٹھ کر حق کو یقینی سطح پر پانے کا عزم مصمم کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا ایک بچہ کسی عیسائی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے عیسائی ہو جاتا ہے یہودی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ یہودی ہو جاتا ہے اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا مسلمان ہو جاتا ہے اور ہر کوئی جس مذہب پر ہے اسے ہی نجات کا سامان اور تمام مذاہب سے بہتر سمجھتا ہے۔ یہودی اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے، عیسائی اپنے آپ کو اور مسلمان اپنے آپ کو۔ میرے پاس میری صداقت کی کیا دلیل ہے؟ یعنی میں بھی اباء پرستی کے کسی خول میں ہی مقید تو نہیں؟

فرماتے ہیں میں اپنے مشرب کی صداقت پہ ایسا یقین چاہتا تھا جیسا یقین مجھے اس حقیقت پر ہے کہ دس کا عدد پانچ کے عدد سے بڑا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بندہ میرے پاس آئے اور مجھے کہے کہ دس پانچ سے بڑا نہیں ہوتا اور پھر وہ اپنے دعوی کی صداقت ثابت کرنے کیلئے

Marfat.com

لکڑی کو سانپ بنا دے یا ہوا میں اڑنے لگے اور پھر مجھے کہے کہ دس پانچ سے بڑا نہیں ہوتا تو میں اسے کہوں گا کہ آپ کا ہوا میں اڑنا اور لکڑی کو سانپ بنا دینا کمال سہی لیکن آپ کی بات درست نہیں ہے دس ہی پانچ سے بڑا ہوتا ہے۔

اس یقین کو پانے کیلئے میں نے تمام مذہب کو مثبت سوچ سے پڑھا یعنی صرف تنقیدی نگاہ سے نہیں بلکہ یہی سوچ کر کہ جیسے یہ سچا ہو میں نے متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ اور صوفیاء کے مسالک کو بہت غور سے پڑھا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ صوفیاء کا مشرب حق پر مبنی ہے۔ کیونکہ متکلمین جس حقیقت تک دلائل سے رسائی حاصل کرتے ہیں صوفیاء اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

انسانی خول حقیقت ہیں لیکن جو شخص اپنی فطرت سلیمہ کو کلام میں لائے اور طالب حق بن کے ان خولوں کو توڑنا چاہے اس کا ان خولوں کو توڑ سکنا اس سے بھی بڑی حقیقت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے خولوں سے باہر آنے کیلئے طالب حق بن کے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور دستگیری فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ہماری راہ میں پوری جدوجہد صرف کر دیتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی رضا کی راہوں کو کشادہ فرما دیتے ہیں۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اور اگر بالفرض پوری جدوجہد کے باوجود بھی کوئی شخص اپنے خول نہ توڑ سکا اور حق پانے سے محروم رہا تو حق سے دوری کا مجرم ہونے کے باوجود اللہ کے کرم سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کوشش اور طلب کی وجہ سے اسے معاف فرما دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (1)

1۔ البقرہ 286:2

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ پابند نہیں کرتا''۔

اگر ہم اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ہر انسان ایک خول میں بند ہے تو ایک تو عقل کل ہونے کی فکر ختم ہو جائے گی اور انسان بڑی عاجزی سے کہے گا۔

ھذا من عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔ کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی کو حقیر جاننے کی سوچ ختم ہو جائے گی اور نفرتیں دم توڑ جائیں گی کیونکہ انسان سمجھے گا کہ جس طرح میں ایک دلیل پر قائم ہوں اسی طرح مجھ سے اتفاق نہ کرنے والا ایک دلیل پر قائم ہے اگرچہ میرے نزدیک میری دلیل صحیح اور اس کی دلیل غلط ہے۔ لیکن بہرحال اپنے خیال میں وہ بھی ایک دلیل پر ہی قائم ہے۔

انسانی خول کا شعور حقیقت کو پانے کا پہلا قدم ہے اور خول توڑ کے حقیقت کو پالینا کمال انسانیت ہے۔

Marfat.com

دلیل اور اس کی طاقت

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ
بَيِّنَةٍ (الانفال 42:8)

''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے ایک روشن دلیل سے ہو اور جسے زندہ رہنا ہے ایک روشن دلیل سے زندہ رہے''۔

Marfat.com

زندگی جہد است استحقاق نیست
جز بعلم انفس و آفاق نیست

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حفیظؔ اہل زبان کب مانتے تھے
بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں

(حفیظ جالندھری)

Marfat.com

عباسی خلیفہ منصور کا دور تھا۔ کسی شخص نے آکر اسے اطلاع دی کہ فلاں شخص کے پاس بنوامیہ کا بہت سا خزانہ ہے جو انہوں نے اس کے پاس بطور امانت رکھوایا تھا۔ منصور نے اس شخص کو اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اسے قید کر کے فوراً دربار میں حاضر کر دیا گیا۔ منصور نے کہا تمہارے پاس بنوامیہ کی امانتیں اور اموال ہیں وہ سب کچھ فوراً یہاں حاضر کر دو۔

قیدی نے یہ سنا تو بڑے صبر وتحمل سے بولا۔

امیر المؤمنین! کیا آپ بنوامیہ کے وارث ہیں؟ منصور نے کہا نہیں! اس نے کہا کیا آپ ان کے وصی ہیں؟ منصور نے کہا نہیں کہنے لگا جب آپ نہ ان کے وارث ہیں نہ وصی تو آپ مجھ سے ان کے مالوں کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں؟

منصور نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ بنوامیہ نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ ان کے اموال پر ناجائز قبضہ کیا۔ اب میں مسلمانوں کا وکیل ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے غصب شدہ اموال واپس بیت المال میں جمع کروادوں۔ تاکہ مجموعی طور پر مسلمانوں کی بہتری میں صرف ہوسکیں۔

قیدی نے کہا آپ نے بجا فرمایا لیکن یہ تو فرمایئے کہ بنی امیہ کے کچھ اپنے اموال بھی تھے یا ان کے سب مال ظلماً لوگوں سے چھینے ہوئے ہی تھے۔ منصور نے کہا ظاہر ہے ان کے کچھ مال اپنے تھے اور کچھ انہوں نے لوگوں سے چھینے تھے تو قیدی نے کہا تو پھر آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ بنوامیہ کے جو مال میرے پاس ہیں وہ ان کے ذاتی نہیں بلکہ لوگوں سے چھینے ہوئے تھے۔

یہ سن کر منصور نے سوچتے ہوئے سر جھکا لیا تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اپنے وزیر ربیع سے کہنے لگا یہ ٹھیک ہی کہتا ہے بے شک اس کے ذمہ ہمارا کوئی حق نہیں۔ پھر قیدی سے کہنے لگا آپ کی کوئی حاجت ہے؟

قیدی نے کہا ہاں امیر المؤمنین! ایک تو فوراً میرے گھر میری خیریت کی خبر بھیج دیں میرے گھر والے پریشان ہوں گے دوسرا اس شخص کو میرے پاس بلائیں جس نے میری یہ چغلی آپ کے پاس کھائی تھی۔ بخدا! میرے پاس بنو امیہ کا کوئی مال نہیں لیکن اگر میں مال کا انکار کرتا تو آپ میری بات قطعاً نہ مانتے اس لیے میں نے وہی جواب دیا جو مجھے نجات دینے والا ہے مطلوبہ شخص کو پیش کیا گیا قیدی نے اسے دیکھتے ہی کہا یہ تو میرا وہی غلام ہے جو میرے تین ہزار دینار لے کر بھاگ گیا تھا۔

منصور نے سخت تعجب اور غصہ میں غلام سے پوچھا اصل واقعہ کیا ہے؟ غلام نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ منصور نے قیدی سے کہا اسے معاف کر دیجئے۔ قیدی نے کہا میں اسے معاف کرتا ہوں میرے جتنے دینار یہ لے گیا تھا وہ بھی معاف کرتا ہوں اور اسے اپنے پاس سے مزید تین ہزار دینار دیتا ہوں۔

منصور قیدی کے اس رویہ سے بہت خوش ہوا اور ہمیشہ اس شخص کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔

غور فرمایئے ایک شخص قیدی کی حیثیت سے ایک بادشاہ کے سامنے پیش ہوتا ہے جس کا جذبہ انتقام انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جو اپنے مخالفین کو ایسی عبرتناک سزائیں دینے میں شہرت رکھتا ہے جو ہمیشہ ظالمانہ انتقام کی علامت کے طور پر پیش کی جائیں گی۔ لیکن آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے سطوت شاہانہ کو ایک قیدی کے سامنے بے بس کر دیا۔ پورا اقتدار و تسلط ایک بے بس قیدی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پہ مجبور ہو گیا۔ وہ چیز صرف اور صرف دلیل کی طاقت تھی کہ ایک بادشاہ ایک پابجولاں شخص کے سامنے بے بس ہو کے رہ گیا تھا۔

دلیل کی طاقت بہت بڑی طاقت ہے۔ جو شخص دلیل سے بات کر سکتا ہے وہ بہت طاقتور شخص ہوتا ہے ہر شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت رکھی ہے جو دلیل کو قبول کرتی ہے تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں قوت و طاقت نہ ہونے پہ مفتوح ہو گئیں لیکن ان کے پاس دلیل تھی تو فاتح اقوام مفتوح اقوام کی شاگرد بن گئیں۔

Marfat.com

دلیل نہ اونچا بولنے کی محتاج ہے نہ مقفع و مسجع جملوں کی اور ہی کسی اور ملمع سازی کی۔ دلیل جتنی بھی سادگی اور جس بھی انداز سے دی جائے اپنے آپ کو خود منوانا جانتی ہے۔ واصف علی واصف صاحب نے کہا تھا ''غصہ اعتماد میں کمی کا نام ہے'' ایسے ہی تکلفات دراصل دلیل نہ ہونے کی علامت ہیں۔

قرآن وسنت کی نصوص کو وہی مانے گا جو قرآن وسنت کو مانتا ہے۔ جو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور آپ کی صداقت پر یقین رکھتا ہے لیکن دلیل کی طاقت کو ہر شخص مانے گا وہ مسلمان ہو یا مشرک و ملحد۔ اس نقطہ نظر سے دلیل کی طاقت کو سب سے بڑی مسلمہ طاقت کہا جا سکتا ہے۔

فن اور ملمع سازی وقتی اثرات چھوڑتے ہیں اور بہت جلد لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ ہو کر حق تک پہنچ جاتے ہیں لیکن دلیل کی طاقت قلب وروح کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور ہمیشہ کیلئے دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔

جس کے پاس دلیل کی طاقت ہو اسے شکوے اور شکایتیں کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ جو شخص یہ شکوہ کرتا ہے کہ فلاں موقع پر میری بات مانی نہیں گئی یا میری بات کو سنا ہی نہیں گیا تو اسے اپنی بات پر غور کرنا چاہیے شاید وہ بات اس انداز میں کر ہی نہ سکا جو دلوں میں گھر کر جاتی ہے اور جس کا انکار کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

معتزلہ اپنے غلط نظریات وعقائد کے سبب اہل اسلام کے غیظ وغضب کا جس طرح نشانہ بنے وہ کسی سے مخفی نہیں وہ نفرتوں کی علامت بن گئے۔ لیکن زمخشری کی کشاف اور اساس البلاغۃ ہر لائبریری کی زینت ہیں۔ زمخشری معتزلی ہیں لیکن ان کی کتابیں ہر صاحب علم بڑی لگن سے پڑھتا ہے کوئی مسلکی تعصب اس راہ میں حائل نہیں ہوتا زمخشری کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میری کتابیں تو بڑے اعلیٰ پائے کی ہیں لیکن مسلکی تعصب کے سبب انہیں پڑھا نہیں جاتا ہے دلیل سے کی گئی بات اپنے بھی مانتے ہیں اور پرائے بھی تمام تعصبات بجا، استثنائی طور پر ان کے اثرات بھی مسلّم لیکن ضمیر کی آواز بھی ایک بڑی حقیقت

Marfat.com

ہے جسے ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ دلیل سے کی گئی بات تمام تعصبات کے پردے چاک کر کے اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔

خوارج کی انتہا پسندی اور شدت ضرب المثل ہے ضد اور ہٹ دھرمی ہی ان کی پہچان تھی لیکن دلیل سے کی گئی بات انہیں بھی پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیتی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خیمہ زن ہو گئے۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی امیر المؤمنین! یہ جاہل لوگ ہیں۔ آپ کے مقابلہ میں آمادہ پیکار ہیں آپ نے فرمایا پہلے انہیں جنگ شروع کر لینے دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نے عرض کیا آج آپ نماز ذرا تاخیر سے ادا کیجئے میں ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں جب آپ خوارج کے لشکر میں گئے تو دیکھا کہ وہاں ایک ایسے انسانوں کا مجمع تھا شب بیداریوں نے جن کے چہرے سیاہی مائل کر دیئے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ دھلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر بولے۔ اے ابن عباس! کیسے آئے ہو اور یہ حلہ کیسا پہن رکھا ہے؟ یعنی انہوں نے آپ کی پوشاک پر طنز کی۔ آپ فرماتے ہیں میں نے انہیں کہا تمہیں اس حلہ کا کیا اعتراض ہے میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر اچھے اچھے یمنی کپڑے دیکھے ہیں پھر میں نے قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ تلاوت کی۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (1)

"آپ فرمائیے کہ یہ زینت اور اچھی اچھی غذائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے بنائی ہیں کس نے حرام کی ہیں؟"

میری اس دلیل سے وہ خاموش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے آپ کیوں آئے ہو؟ میں نے

1۔ الاعراف 32:7

جواب دیا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کی طرف سے آیا تھا جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور جن میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور تم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو۔ میری آمد کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہاری باتیں ان تک اور ان کی باتیں تم تک پہنچاؤں۔ وہ آپس میں کہنے لگے ان سے بات مت کرو کیونکہ یہ قریشی ہیں اور ان کے حق میں قرآن کہتا ہے۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ (2)

"یہ جھگڑالو لوگ ہیں"۔

یہ ان کا ایک باطل استدلال تھا۔ ان میں سے بعض کہنے لگے۔ ہم ان سے ضرور گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد ان میں سے دو تین شخص میرے سامنے آئے میں نے پوچھا حضرت علیؓ پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟ کہنے لگے تین اعتراض ہیں۔ میں نے کہا بتاؤ کہنے لگے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنایا حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (2)

"فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے"۔

میں نے کہا ٹھیک ہے ایک بات ہوئی اور بولو۔ کہنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کی۔ پھر نہ کسی کو قید کیا نہ کسی سے مال غنیمت لوٹا۔ اگر ان کی جماعت مسلمان تھی تو ان سے جنگ کیوں کی؟ اور اگر کافر تھی تو جس طرح ان کے ساتھ جنگ درست تھی۔ انہیں قید کرنا بھی درست تھا میں نے کہا اچھا اور کچھ؟ بولے تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنا نام امارت سے کیسے مٹایا۔ اگر وہ مومنوں کے امیر نہیں تو یقیناً کافروں کے امیر ہوں گے۔

میں نے کہا اگر میں تمہیں ان سب باتوں کا قرآن وسنت سے جواب دوں تو کیا واپس

1۔ الزخرف 58:43 2۔ الانعام 57:6

چلے جاؤ گے انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ میں نے کہا اچھا سنو!

حکم مقرر کرنے والی پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن میں ہی دوسروں کو حکم مقرر کرنے کا حکم موجود ہے چنانچہ حالت احرام میں کوئی شخص شکار کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جو سزا مقرر کی ہے اس کے فیصلہ کیلئے دو منصف مسلمان حکم مقرر کرنے کا حکم ہے۔ وہ جو بھی فیصلہ کریں وہی تسلیم کیا جائے گا۔

آپ کا اشارہ اس آیہ کریمہ کی طرف تھا:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (1)

”اے ایمان والو! تم حالت احرام میں کوئی شکار نہ کرنا۔ اگر کوئی تم میں سے جان بوجھ کے شکار کرے گا تو اس کا بدلہ اسی طرح کا چوپایہ ہے جو تم میں سے دو عادل حکم مقرر کردیں (الخ)“۔

اسی طرح میاں بیوی کے جھگڑے میں بھی دو حکم مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کا اشارہ اس آیہ کریمہ کی طرف تھا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ (الخ) (2)

”اور اگر تمہیں بیوی اور شوہر میں جدائی پڑ جانے کا خوف ہو تو ایک حکم میاں کی طرف سے اور ایک بیوی کی طرف سے مقرر کرو، الخ“۔

آپ نے فرمایا جب عورتوں اور جانوروں تک کے معاملہ میں مسلمانوں کو حکم مقرر کیا

1۔ المائدہ 95:5 2۔ النساء 35:4

گیا ہے۔اور ان کے فیصلے کو تسلیم کیا گیا ہے تو مسلمانوں کی جانوں کے تحفظ کیلئے حکم مقرر کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ اور ان کا فیصلہ کیوں تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ بتاؤ تمہارا یہ اعتراض ختم ہوا یا نہیں؟ کہنے لگے جی ہاں! ختم ہو گیا

تمہارے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بتاؤ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمہاری ماں تھیں یا نہیں۔ اگر انکار کرتے ہو تو کافر ہوتے ہو اور اگر اقرار کرتے ہو تو کیا قید کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ سب معاملات درست رکھو گے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ جائز ہوتے ہیں۔ اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو کافر ہو جاؤ گے۔ اب کہیے کیا تمہارا اعتراض باقی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ رویہ بالکل درست تھا۔

آپ نے فرمایا اب تیسری بات کا جواب سنو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو امارت سے معزول کیوں کیا کیا صلح حدیبیہ میں ابوسفیان اور سہیل کے اصرار پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ پھر اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام امارت سے علیحدہ کر دیا تو کیا ہوا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ دلائل سن کر دو ہزار اشخاص واپس چلے گئے اور باقی قتل کر دیئے گئے۔(1)

یہ دلیل کی طاقت تھی جس نے خوارج جیسے متشدد اور انتہا پسند لوگوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ بسا اوقات دلیل کی طاقت وہ کام کر جاتی ہے جو تلوار نہیں کر سکتی۔

دلیل اور تلوار کے فرق کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک شخص کسی شہر پر توپ سے گولے برسا رہا ہے تو دراصل ایک دلیل اسے کہہ رہی ہے کہ یہ لوگ مار دینے کے قابل ہیں انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ اب تلوار کی طاقت یا مادی طاقت یہ کر سکتی ہے کہ گولے برسا کے اسے اور اس کی توپ کو تباہ کر دیا جائے۔ اور دلیل کی طاقت یہ ہے کہ اس پر اس کی

1۔ جامع بیان العلم، ج2، ص104، حافظ ابن عبدالبر بحوالہ ترجمان السنہ، ج1، ص42، مولانا بدر عالم میرٹھی ادارۂ اسلامیات، لاہور

غلطی واضح کردی جائے پھر وہ گولے جو کسی قوم پر برس رہے تھے اسی قوم کے دشمنوں پر برسنے لگیں گے۔

دلیل اتنی بڑی طاقت ہے کہ اس کا وجود ایک عام آدمی کے سامنے جابر و قاہر بادشاہ کو بے بس کر دیتا ہے۔

عباسی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے حضرت ابراہیم بن عیلہ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔اور انہیں محکمہ خراج کے افسر کا عہدہ پیش کیا۔آپ نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں اس کا اہل نہیں ہوں۔خلیفہ ہشام کو غصہ آ گیا اس نے کہا آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا ورنہ میں آپ کو سخت سزا دوں گا حضرت ابراہیم بن عیلہ نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ امیر المؤمنین !اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (1)

"بے شک ہم نے ایک امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے برداشت کرنے سے انکار کر دیا اور لرزہ براندام ہو گئے اور اسے انسان نے اٹھالیا۔بے شک وہ زیادتی کرنے والا اور بھولا ہے"۔

آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ ایک امانت قبول نہ کرنے پر ناراض نہیں ہوئے اور زمین و آسمان کو کوئی سزا نہیں دی تو آپ مجھ سے کیوں ناراض ہو رہے ہیں اور مجھے کیوں سزا دیں گے؟ آپ کی یہ دلیل سن کر ہشام خاموش ہو گیا اور اس نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

دلیل کی طاقت قلب و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے اور یہ کسی تکلف، تصنع اور مادی طاقت کی محتاج نہیں ہوتی یہ بغیر ہنگامے برپا کیے دلوں کو فتح کر لیتی ہے تکلفات سے دامن بچا کے دلیل سے بات کرنے والا انسان ہی ادراک حقیقت کی نعمت سے مالا مال ہے۔

1۔الاحزاب 72:33

Marfat.com

نعمت و مصیبت

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ
بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اِذْ
جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَیَّنَ
لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الانعام 6:42-43)

''ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے۔ پھر ہم سختی اور تکلیف سے ان کی گرفت کرتے رہے تاکہ ان میں عاجزی پیدا ہو۔ تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہماری طرف سے سختی آئی تو وہ عاجزی اختیار کرتے۔ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کے (برے) کاموں کو شیطان نے ان کے لیے خوش آئند بنا دیا تھا''۔

Marfat.com

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بے تحاشا محبت فرماتا ہے اور اس پر اپنی رحمتوں کی برکھا اس شدت سے برساتا ہے کہ بندہ اس کی رحمتوں کا شمار تک نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ وہ ماں سے کہیں بڑھ کے اپنے بندے سے محبت فرماتا ہے اس کے باوجود یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ زندگی میں انسان کو بہت سے دکھوں اور متعدد مصائب و آلام سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔

اتنی محبت کرنے اور اتنے چاہنے کے باوجود آخر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح مصیبتوں میں کیوں مبتلا کر دیتا ہے کہ

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ مصیبتوں کے مقابلہ میں نعمتیں بہت زیادہ اور حدوشمار سے باہر ہوتی ہیں لیکن انسان نعمت کو ایک عمومی بات سمجھ کر اس کی لذت محسوس نہیں کرتا لیکن مصیبت کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ اور ایک مصیبت ہزار ہا نعمتوں پر بھاری محسوس ہونے لگتی ہے۔ ان گنت نعمتوں کے باوجود مصیبت بھی ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس میں ہر نوع اور جنس کا انسان کسی نہ کسی طرح گرفتار ہو جاتا ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اتنی محبت فرمانے کے باوجود انہیں مصائب و آلام میں کیوں گرفتار کرتا ہے؟

اور کیا مصیبت آنے کا سبب صرف ایک ہی ہوتا ہے؟ اور ہر نیک و بد پہ مصیبت کیا صرف ایک ہی وجہ سے آتی ہے؟

قرآن وسنت کے واضح ارشادات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مصیبت ہر بندے پر ایک وجہ سے نہیں آتی بلکہ بندوں کے اعمال مختلف ہونے کی وجہ سے مصائب

Marfat.com

وآلام کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ بظاہر حالات ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن اسباب یکساں نہیں ہوتے اور نزول آلام پر انسان کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں اور یہی اسباب کے مختلف ہونے کی علامت ہوتی ہیں۔

کسی گنہگار اور فاسق وفاجر پہ جو مصائب وآلام نازل ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہوتے ہیں اور اسکی گرفت کی ایک صورت ہوتے ہیں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا۔ ایک مقام پر ایک بستی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (1)

''اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال دی۔ جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی۔ اس کا رزق ہر جگہ سے بہت کھلا چلا آتا تھا۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے رہنے والوں کے اعمال کے باعث انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا''۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اس بستی کے رہنے والے بہت خوش حال اور اطمینان وسکون سے بھری زندگی بسر کر رہے تھے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اسی کفران نعمت کے سبب ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے حق کو

1۔ النحل 112:16

جھٹلایا تو ہم نے ان کے (برے) اعمال کے سبب ان کی گرفت کر لی"۔(1)

یعنی ان بستیوں والوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ ان کے گناہوں کے سبب اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ (2)

"اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر بارش برسائے گا، مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ تمہارے لیے باغات مہیا کرے گا اور تمہیں نہریں عطا فرمائے گا"۔

ان آیات طیبات کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں:

قَالَ مُقَاتِلٌ اِنَّ قَوْمَ نُوْحٍ لَمَّا كَذَّبُوْهُ زَمَانًا طَوِيْلًا حَبَسَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الْمَطَرَ، وَاَعْقَمَ اَرْحَامَ نِسَاءِهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَرَجَعُوْا اِلٰى نُوْحٍ فَقَالَ نُوْحٌ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ حَتّٰى يَفْتَحَ عَلَيْكُمْ اَبْوَابَ نِعَمِهٖ

"مقاتل کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک لمبے عرصہ تک آپ کی بات نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک ان کی بارش روک لی اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا۔ پھر وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا اپنے شرک سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو یہاں تک کہ وہ تم پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے"۔(3)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ان پر قحط سالی اور عورتوں کے بانجھ ہونے کی مصیبت اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا۔

1۔ الاعراف 96:7 2۔ نوح 71:10-12

3۔ التفسیر الکبیر، ج 30، ص 137، امام فخر الدین رازی، مکتب الاعلام الاسلامیہ (1411ھ)

Marfat.com

قرآن کریم میں اس حقیقت کو بھی بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا گیا کہ اپنے عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ بعض مصائب بھیج کر انہیں متنبہ فرماتا ہے اگر وہ اپنی اس بغاوت اور سرکشی کی روش سے باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں کی برکھا برسا کر انہیں سنبھلنے کا موقع دیتا ہے لیکن جب وہ اپنی اس روش سے باز نہیں آتے تو انہیں عذاب استیصال کے آہنی شکنجوں میں کس کر صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْاؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾ (1)

''ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے (جب انھوں نے ان کو جھٹلایا تو) پھر ہم نے سختی اور تکلیف سے ان کی گرفت کی تا کہ ان میں عاجزی پیدا ہو۔ تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب بھی ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آتی تو وہ گڑگڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان کے (برے) اعمال کو شیطان نے ان کے لیے خوش آئند بنا دیا۔ پھر جب وہ نصیحتوں کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر شئ کے دروازے کھول دیئے۔ جب وہ سب کچھ پا کے خوشی سے آپے سے باہر ہونے لگے تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا۔ سو وہ ناکام اور مایوس ہو کر رہ گئے۔ پس ظالموں کی جڑیں کاٹ دیں گئیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

1۔ الانعام 6:42-45

Marfat.com

ایک اور مقام پر اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (1)

''ہم نے کسی بستی میں کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر (لوگوں کے انکار کرنے پر) ہم نے اس کے رہنے والوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا تاکہ ان میں نرمی اور عاجزی پیدا ہو۔ پھر ہم نے دکھ کو سکھ میں بدل دیا یہاں تک کہ انہیں خوب ترقی ہوئی۔ اور وہ کہنے لگے کہ تکلیف اور خوشی تو ہمارے باپ اور دادا کو بھی پہنچتی رہی ہے۔ پھر ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ اور انہیں اس کا شعور تک نہیں تھا''۔

بنی اسرائیل کے تذکرہ میں بھی یہی بات بڑی وضاحت سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝ (2)

''اور ہم نے آل فرعون کو قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا۔ تاکہ وہ کوئی نصیحت حاصل کریں''۔

یہ مصیبت انہیں متنبہ کرنے کے لیے تھی تاکہ وہ اپنی غلطیوں کو سمجھیں اور پلٹ کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آ جائیں۔ اس تنبیہ کے باوجود جب وہ اپنی روش سے باز نہ آئے وہ نعمت کو اپنا استحقاق سمجھتے رہے اور مصیبت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے کہ ہم پر آنے والی تمام مصیبتوں کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ اور انہوں نے دھڑلے سے کہا کہ ہم کبھی بھی آپ پہ ایمان نہیں لائیں گے۔ تو پھر انہیں ایک بڑے عذاب نے اپنے آہنی

1۔ الاعراف 7:94-95 2۔ الاعراف 7:130

شکنجے میں لے لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (1)

''پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون اور کتنی ہی کھلی نشانیاں بھیجیں۔ پھر انھوں نے نافرمانی کی اور وہ مجرم لوگ تھے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایک نافرمان فرد یا قوم پر آنے والی مصیبت دراصل اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہوتی ہے اور یہ یک دم نہیں آتی پہلے اللہ تعالیٰ کسی چھوٹی مصیبت سے انہیں تنبیہ کرتا ہے جب وہ نہیں سمجھتے تو انہیں بڑی مصیبت میں گرفتار کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال ایک فاسق و فاجر پر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

''اور تم میں سے جس پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کا کیا دھرا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا ہے''۔ (2)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ٘ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (3)

''تمہیں جو بھی بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچے وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایک گنہگار اور سرکش انسان پہ آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک گرفت ہوتی ہے۔

لیکن ہر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی نہیں ہوتی بلکہ کبھی مصیبت کے ذریعہ

1۔ الاعراف 133:7 2۔ الشوریٰ 30:42 3۔ النساء 79:4

Marfat.com

سے انسان کی آزمائش بھی کی جاتی ہے۔ کہ کیا انسان نعمت میں ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور مصیبت میں اپنے خالق و مالک سے بدگماں ہو جاتا ہے، گلے شکوے شروع کر دیتا ہے۔ یا نعمت و مصیبت ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے اور اسی کی محبت میں ڈوبا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ (1)

''اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، مال، جان اور پھلوں میں کسی طرح کی کمی سے ضرور آزمائیں گے۔ آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ جنہیں جب کوئی مصیبت آئے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی جانب لوٹنا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں''۔

یہاں انسان کی آزمائش ان مختلف طریقوں سے کی جائے گی جو لوگ ان آزمائشوں میں کامیاب ہوں گے وہی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً ؕ وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۵﴾ (2)

''ہم تمہیں برائی اور اچھائی سے آزماتے ہیں اور تم سب کو ہماری جانب ہی لوٹایا جائے گا''۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِي الۡاَرۡضِ وَلَا فِيۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِيۡ كِتٰبٍ

1۔ البقرہ 2:156-157 2۔ الانبیاء 21:35

Marfat.com

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ (1)

''کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ ہم انہیں پیدا کریں۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ تاکہ جو تم سے کھویا گیا تم اس پر غم نہ کرو اور جو تمہیں دیا گیا اس پر فخر نہ کرو''۔

یہاں مصیبت کو عذاب نہیں بلکہ آزمائش کہا گیا ہے اور انسان سے کہا جا رہا ہے کہ جانے والی چیز پہ کف افسوس نہ ملتے رہو بلکہ اسے اللہ کا فیصلہ سمجھ کے قبول کرو اور اپنے سر نیاز کو اسی کے حضور جھکائے رکھو۔

جب مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے تو اس پر صبر کرنے والے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ سیات بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ فِيْ جَسَدِهٖ يُؤْذِيْهِ اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ (2)

''مومن کے جسم میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ مَا يُكَفِّرُهَا اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا (3)

''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جائیں اور اس کا کوئی عمل اس کا کفارہ نہ بن

1۔ الحدید 57:22-23　2۔ تفسیر القرآن العظیم، ج4، ص118، علامہ ابو الفداء ابن کثیر، دار الحدیث، القاہرہ
3۔ نفس مصدر، ج4، ص118

سکے تو اللہ تعالیٰ اسے غم میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے''۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (1)

''مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے۔ وہ تھکاوٹ ہو یا مرض، فکر ہو یا غم، اذیت ہو یا پریشانی اور یہاں تک کہ اگر اسے ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے''۔

یہ مصائب وآلام بندہ مومن کا امتحان ہوتے ہیں اور اس کے ایمان کی پرکھ کی خدائی کسوٹی شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَتَبَيَّنُ الْعَبْدُ عِنْدَ الْاِخْتِبَارِ إِذَا جَاءَتِ الْبَلَايَا مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَأَنْتَ ثَابِتٌ فَأَنْتَ مُحِبٌّ وَإِنْ تَغَيَّرْتَ بَانَ الْكِذْبُ وَانْتَقَضَ الْأَوَّلُ وَذَهَبَ (2)

''عبدیت کا اظہار ہی مصیبت کے وقت ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلائیں آئیں اور تو ثابت قدم رہے تو تو اللہ سے محبت کرنے والا ہے۔ اور اگر تو بدل جائے تو تیرا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ پہلا دعویٰ چلا جائے گا اور باطل ہو جائے گا''

سطور بالا سے واضح ہو رہا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا باغی اور سرکش ہو چکا ہو اس پر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوتی ہے لیکن جو بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے راستے پر

1۔ صحیح البخاری، ج 7، ص 114، باب ما جاء فی کفارة المرض، رقم الحدیث 42-5641، دار طوق النجاة

2۔ الفتح الربانی، ص 87، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، فرید بک سٹال، لاہور

گامزن ہو تقاضۂ بشری کے تحت کبھی اس سے بھی کوئی خطا ہوسکتی ہے تو اس پر آنے والی کوئی بھی مصیبت یا سختی اس کے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک فاحشہ عورت تھی۔ ایک مرد اس کے پاس سے گزرا اور اس نے اپنا ہاتھ اس عورت کی طرف بڑھایا۔ تو اس عورت نے اسے کہا اس چیز سے باز آجاؤ۔ بے شک اسلام آگیا ہے اور شرک چلا گیا ہے اس شخص نے اس عورت کو چھوڑا اور پیٹھ موڑ کر چل دیا اور مڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ دیوار سے ٹکرا گیا پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا تم وہ انسان ہو جس کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ کی اسے جلد سزا دے دیتا ہے۔ اور جب کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ کو قائم رکھتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اسے اس کی پوری سزا دیتا ہے۔ (1)

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مصیبت سرکش اور باغی پر بطور عذاب اور بندہ مومن پر بطور کفارہ سیات آتی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام جو معصوم ہوتے ہیں جن کی زندگی گناہوں سے پاک ہوتی ہے انہیں مصائب وآلام میں مبتلا کیوں کیا جاتا ہے؟ تو شواہد یہی بتاتے ہیں کہ ان پر آنے والے مصائب صرف ان کے درجات کو مزید بلندیاں عطا فرمانے کیلئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مصائب کو ان کے رفع درجات کا ذریعہ بناتا ہے۔ اگر حسنات الابرار سیأت المقربین (2) کی طرح کا کوئی راز ہو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقربین کا معاملہ ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انبیاء کرام اور مقربین الٰہی پر آنے والے مصائب بھی کسی گناہ کے سبب ہیں کیونکہ انبیاء کرام تو معصوم ہوتے ہیں اور دیگر مقربین الٰہی بھی محبت الٰہی کے اس اعلیٰ مقام پہ ہوتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ فرما

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 12، ص 255، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ تفسیر الخازن، علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

لیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو کیسے پتہ چلے کہ یہ مصیبت عذاب الٰہی ہے، گناہوں کا کفارہ ہے یا رفع درجات کیلئے ہے تو اس کا فیصلہ انسان کے حالات اور اس کا ضمیر کرے گا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"اگر امراض و مصائب کے ساتھ مصیبت زدہ کو تقدیر الٰہی پر غصہ آئے اور اس سے شکایت پیدا ہو تو وہ اللہ کے قہر اور عذاب کی علامت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ مصیبت آنے پر انسان صبر کرے تو یہ کفارہ ذنوب کی علامت ہے اور اگر صبر کے ساتھ رضا اور انشراح محسوس کرے تو یہ رفع درجات کی علامت ہے"۔(1)

اس سے واضح ہوا کہ اگر مصیبت آنے پر انسان کو تقدیر پر غصہ آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگے تو یہ اس چیز کی علامت ہے کہ یہ مصیبت اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اور اگر وہ مصیبت آنے پر صبر کا مظاہرہ کرے تو یہ اس چیز کی علامت ہے کہ یہ مصیبت اس کے گناہوں کو معاف کرنے کا سبب ہے اور اگر وہ بندہ مصیبت میں بھی لذت محسوس کرنے لگے کہ یہ مصیبت میری رب کی طرف سے آئی ہے اور محبوب سے ملنے والی ہر چیز ہی محبوب ہوتی ہے تو یہ مصیبت اس کے درجات کو بلند کرنے کے لیے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم۔

اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً فَقَالَ النَّبِیُّوْنَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ

"کن لوگوں پر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں آپ نے فرمایا انبیاء کرام پر میں نے عرض کیا پھر فرمایا نیک بندوں پر"۔

یعنی کسی کو غربت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور کسی کو کسی اور مصیبت میں۔ اور پھر آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان مقربین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کشکول، ص 94، مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت، کراچی

Marfat.com

وَكَانَ اَحَدُهُمْ بِالْبَلَاءِ أَشَدُّ فَرَحًا مِنْهُ بِالرَّخَاءِ (1)

''ان میں سے ہر ایک مصیبت کے آنے پر اتنا خوش ہوتا جتنا نعمت ملنے پر بھی نہیں ہوتا''۔

یعنی جب مصیبت میں بھی لذت محسوس ہونے لگے تو پھر مصیبت کسی گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کیلئے ہوتی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ:

''جبریل امین نے حضرت ایوب علیہ السلام سے بعد صحت دریافت کیا کہ مرض میں آپ کا کیا حال تھا اور اب کیا ہے۔ فرمایا کہ جو مزہ بیماری میں تھا وہ تندرستی میں نہیں ہے۔ بیماری میں ہر صبح کو حضرت حق سے آواز آتی تھی کہ اے ایوب کیسے ہو۔ اس کے نشہ میں شام تک مست رہتا تھا اور شام کو بھی ایک ایسی آواز آتی تھی۔ بعد صحت کے یہ آواز کبھی نہیں آئی''۔ (2)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصیبت آنے کا صرف ایک ہی سبب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور سرکشوں پر بطور عذاب آتی ہیں۔ عام اہل ایمان پر کفارہ سیئات کے طور پر آتی ہے انبیاء کرام اور مقربین الٰہی پر رفع درجات کیلئے آتی ہے ہر انسان کے اعمال اور اس کا ضمیر فیصلہ کرتا ہے کہ یہ مصیبت کس لیے آئی ہے۔

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 9، ص 31، رقم الحدیث 9047، دار الحرمین، القاہرہ

2۔ امداد المشتاق، ص 116، ملفوظات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اسلامی کتب خانہ، لاہور

Marfat.com

خدا پرستی یا نفس پرستی؟

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَ اِذَا قِیْلَ
لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ
وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

(البقرہ 2:205-207)

"اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر۔ تو اس کی انا اسے اور زیادہ گناہوں کی گرفت میں لے جاتی ہے۔ تو ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہت ہی مہربان ہے"۔

Marfat.com

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف
مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہے گا کہ میں خدا پرستی نہیں انا پرستی کر رہا ہوں لیکن جب ہم حقیقت کی دنیا میں جھانکتے ہیں تو ہمیں صورت حال عمومی طور پر کافی مختلف اور خوفناک نظر آتی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ خدا پرستی ہے کیا؟ اور نفس پرستی کس چیز کا نام ہے؟

اس سوال کے جواب میں آسان الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ انسان سے کچھ مطالبات اس کا نفس، مفاد اور اس کا بدن کرتا ہے اور کچھ مطالبات اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ کہنے کو تو ہر شخص یہی کہے گا کہ میں کسی اور کی نہیں صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات بجا لانے والا ہوں۔ لیکن گہرائی میں جھانک کر دیکھیں تو صورتحال وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے۔

خدا پرستی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے ہر مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا صرف وہی حکم نہ مانے جس سے اس کی ذات کا کوئی مطالبہ مجروح نہ ہوتا ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پہ لبیک کہتے ہوئے اپنی جان اور مال بھی قربان کرنے پڑیں تو کر دے۔ اسی چیز کو ایمان کی علامت اور اہل ایمان کا وصف بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ (1)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل ہو

1۔ التوبہ 111:9

بھی جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ برحق وعدہ تورات، انجیل اور قرآن میں ہے۔
اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے۔ تو تم نے جو
سودا اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اس پر خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

نفس پرستی کی حقیقت کی دنیا میں جھانکتے ہوئے ہمیں خدا پرستی کے مقابلہ میں دو روپ بڑے واضح نظر آتے ہیں یہ دونوں روپ دراصل نفس پرستی کے دو مرحلے ہیں۔ جن میں سے اگر ایک کو بد کہا جائے تو دوسرا بدتر ہے یعنی ایک بھی برا ہے لیکن دوسرا اس سے بھی بڑھ کر برا ہے۔

خدا پرستی کا کوئی بھی مطالبہ چھوڑ کر جب انسان اپنے مفاد، ذوق، رسم و رواج یا نفسانی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے تو دراصل تو وہ خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی ہی کر رہا ہوتا ہے یاد رہے کہ مفاد، ذوق، رسم و رواج یا خواہشات نفسانی انسان کے فطری تقاضے ہیں اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے انسان کو مکمل طور پر ان سے نہیں روکتا ان کی تکمیل کے لیے ایک اعتدال کا راستہ متعین کرتا ہے۔ اور خدائی احکامات کی تکمیل کو مقابلہ کی صورت میں ان سب پر ترجیح دینے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ انسانی فطرت کا سب سے قدیم جوہر اور داعیہ محبت الٰہی ہے جس کا بیج عہد الست کی صورت میں انسانی فطرت میں بویا گیا۔

ایک چھوٹی سطح سے لے کر ایک بڑی سطح تک ہم انسان میں خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی کے مظاہر بڑے واضح دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ایک شخص نیند پوری کرتے ہوئے نماز چھوڑتا ہے تو وہ نماز کی اہمیت کا انکار لفظوں میں تو نہیں کر رہا ہوتا اور دعویٰ کی حد تک وہ نماز کے فضائل و مناقب کا منکر بھی نہیں ہوتا لیکن وہ نیند کی خواہش پوری کرنے میں نماز ترک کر کے دراصل خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی ہی کر رہا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ڈرامہ دیکھتے، کوئی میچ دیکھتے یا دلچسپ مشغولیت کے سبب نماز ترک کرتا ہے۔ تو وہ بھی خدا پرستی کے مقابلہ میں خواہش پرستی ہی کر رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ نماز کی اہمیت کا انکار زبان سے نہیں کرتا لیکن خواہش پرستی کا داعیہ اسے نماز ترک کروا دیتا ہے۔

جو شخص اپنے مفاد کے لیے جھوٹ بول رہا ہوتا ہے وہ سچ کی اہمیت کا انکار لفظوں میں تو نہیں کرتا لیکن عملی طور پر مفاد کی محبت اسے خدا پرستی کی راہ سے نفس پرستی کی دلدل میں کھینچ لاتی ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتا، حرام مال کھانے میں رات دن لگا رہتا ہے، کسی غریب کی زندگی بھر کا اثاثہ چھین کر تعیشات کی نذر کر دیتا ہے۔ کسی بیوہ کی زندگی کا اثاثہ چھین کر اپنی عیاشیوں کا سامان کرتا ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے میں فخر کرنے والا ہی ہوتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں رہا ہوتا کہ جس ڈگر پر وہ دوڑا جا رہا ہے وہ خدا پرستی کا راستہ نہیں بلکہ نفس پرستی کی شاہراہ ہے کہنے کو تو وہ خدا کی محبت پر سب کچھ قربان کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنا ذرا سا مفاد بھی خدا کے لیے قربان کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا۔

جو انسان زبانی طور پر تو یہ کہتے ہوئے تھکتا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم میری سر آنکھوں پر، اس کا دیا ہوا نظام حیات میرا سرمایہ دارین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر سنت اور ہر ادا میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا نور ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ یورپین تہذیب کا دلدادہ، انہیں کے رنگ میں رنگنے کو کمال انسانیت سمجھنے والا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے منحرف اور آپ کی اداؤں سے منہ موڑنے والا ہو دراصل یہ شخص اصولی طور پر نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے، نہ اس کے دیے ہوئے نظام کا باغی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی اداؤں کے شرف و کمال کا انکار کرنے والا ہے بلکہ صرف کم ہمت ہے اور اتنا کوتاہ نظر ہے کہ وہ اپنے ذوق کو نہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربان کر سکا اور نہ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت میں۔

جو شخص اپنی بیوی کی محبت اور اس کی خوشی کے لیے اپنی ماں کے احترام سے محروم ہے اپنے دوستوں کی محبت میں اپنے والد گرامی کی توہین و تنقیص کا ارتکاب کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال رہا ہے دراصل وہ بھی خدا پرستی کا راستہ چھوڑ کر ذوق پرستی کا جرم کر رہا ہے۔

خدا پرستی کا مطلب تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بیچ دینا ہے اس کی محبت اور

Marfat.com

اطاعت کی راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو زندہ جذبوں سے ہٹا دینا ہے مفاد، ذوق، خواہش اور جو کچھ بھی خدا پرستی کے راستے میں حائل ہو ایسی چیز کو تہس نہس کر کے اپنے مولا کے سامنے جھکنا ہے جو شخص اتنی ہی خدا پرستی کرتا ہے کہ جس سے نہ اس کے مفاد کو نقصان پہنچے، نہ اس کا ذوق مجروح ہو، نہ اس کی دانش برہانی کو کوئی گزند پہنچے نہ اس کے رسم و رواج متاثر ہوں تو یہ شخص خدا پرست نہیں بلکہ نفس پرست ہے کیونکہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونے کے مسلمہ اصول کے مطابق خدا پرستی کا تو پتا ہی اس وقت چلے گا جب یہ نفس پرستی کے مقابلہ میں کی جائے گی۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کے وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر آتا ہے پروانہ

خدا پرستی کا مطالبہ تو ہر چیز چھوڑ کے اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۟ (1)

”کسی بھی مومن مرد یا مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو اس کے بعد ان کے لیے اپنی مرضی کا کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ یقیناً بڑی واضح گمراہی میں جا پڑے گا“۔

خدا پرستی کا تو مطلب ہی اس راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

1۔ الاحزاب 36:33

اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ (1)

''اہل ایمان کو جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پکارا جائے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ صرف یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں''۔

اب اگر کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس حد تک تو قبول ہے جو اس کے ذوق، مزاج، مفاد اور رسم و رواج کے خلاف نہ ہو لیکن یہاں خدا پرستی کا مطالبہ ان چیزوں کی قربانی ہو تو وہ خدا پرستی کی روش چھوڑ کر ان اشیاء کے حصول اور ان کی بقاء میں مشغول ہو جاتا ہے تو دراصل یہ انسان خدا پرستی کی لذتوں سے ناآشنا اور نفس پرستی کی روش پر گامزن ہے۔

خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی کا دوسرا روپ اس سے بھی بڑھ کر خطرناک اور بہت ہی بھیانک ہے اور وہ نفس پرستی کی وہ صورتیں ہیں جو خدا پرستی کی صورت میں کی جاتی ہے۔ اگر خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی اپنی اصل صورت میں ہو تو اتنی خطرناک نہیں ہوتی کیونکہ وہاں خدا پرستی کا لیبل چسپاں نہیں ہوتا۔ جب غلطی غلطی کے روپ میں ہی کی جاتی ہے تو کبھی نہ کبھی شعور گناہ جاگنے کا احساس باقی رہتا ہے لیکن جو نفس پرستی، خدا پرستی کے روپ میں کی جائے وہ دھوکہ بھی ہے، کم ہمتی بھی اور بے ضمیری بھی اور دنیا کو نفس پرستی نے اس قدر تباہ نہیں کیا جس قدر خدا پرسی کے روپ میں نفس پرستی نے کیا ہے۔

اس چیز کے مظاہر ہمیں چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سطح تک نظر آتے ہیں۔ اور یہ چیز انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک دیکھی جاسکتی ہے۔ اسلام کے وہ احکامات جن میں انسان کے ذوق کی تکمیل ہو انہیں بجالانا دراصل خدا پرستی نہیں کیونکہ اس کا تقاضا تو ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے یہ بھی خدا پرستی کے روپ میں نفس پرستی کی ہی ایک صورت ہے۔ جس چیز میں انسان کی انا کی تسکین ہو، اس کی شہرت و ناموری کے جذبوں کی تکمیل ہو اور اس سے لوگوں پر اس کی سخاوت، بہادری اور فیاضی کی دھاک بیٹھنے کے روشن امکانات ہوں تو وہ

1۔ النور 51:24

Marfat.com

اس چیز کو تو خدا پرستی ظاہر کرتے ہوئے کرے لیکن جس خدا پرستی کا مطالبہ عجز وانکسار، انا پرستی اور ذوق کی قربانی ہو وہ خدا پرستی کے ان مظاہر کے قریب تک نہ جائے تو اس کی پہلی خدا پرستی بھی دراصل انا پرستی ہی تھی جو اس مقدس روپ میں کی گئی۔ جو لوگ خدمت دین کے نام پہ جلب زر میں مگن ہیں۔ جو ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ دین کا کام کر رہے ہیں لیکن اپنے مفادات اس نام سے حاصل کرنے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں یہ لوگ بھی خدا پرستی کے نام پر خود پرستی میں مشغول ہیں کیونکہ یہاں انہیں اپنے مفاد، انا یا ذوق قربان کر کے خدا پرستی کرنی پڑے وہاں ان کے رویے کسی جاگیردار یا ٹھاکر سے کم نہیں ہوتے۔

مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کی خدمت کرتے ہیں اس لیے ہمیں اسلام لانے اور جہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حاجیوں کی خدمت اور بیت اللہ شریف کو آباد کرنا بلاشبہ ایک بہت بڑی سعادت ہے بشرطیکہ یہ ایمان کے تقاضوں کا جواب ہو اور ایمان تو اللہ کے لیے ہر اس چیز کو قربان کرنے کا تقاضا کرے گا جسے قربان کرنے کی ضرورت ہو۔ تو ایمان کے بغیر یہ کام خدا پرستی نہیں بلکہ نفس پرستی ہیں۔

ایک مرتبہ طلحہ، عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کہیں اکٹھے ہوئے تو طلحہ کہنے لگا۔ میرے پاس بیت اللہ کی چابی ہے۔ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور ان کی خدمت کرتا ہوں یعنی ان وجوہات کی بنا پر ہمیں ایمان لانے اور جہاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَقَدْ صَلَّيْتُ إِلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ النَّاسِ وَ أَنَا صَاحِبُ الْجِهَادِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ الخ(1)

میں نے سب لوگوں سے پہلے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا بھی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل فرمائیں۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ

1۔ التفسیر المنیر، ج 5، ص 492، الدکتور وھبۃ الزحیلی، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ (1)

"کیا تم نے صرف حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام آباد کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ان کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے اور وہی کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص رحمت اپنی خوشنودی اور جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی اور وہ ہمیشہ اس میں رہا کریں گے۔ بے شک اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے"۔

یہ آیات طیبات اس فکری غلطی کی اصلاح کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جو نسان پر خود پرستی اور خدا پرستی کا فرق واضح نہیں ہونے دیتی۔ جس عبادت میں انا کا بت مجروح نہ ہو۔ جاہ وحشمت کے جذبوں کو مزید غذا ملے، شہرت و ناموری کی خواہش کی بھی تکمیل ہو انسان اسے تو عبادت سمجھ کرلے لیکن جس عبادت میں خواہشات قربان کرنی پڑیں، حرام خوری ترک کرنی پڑے بھٹکتے اور بے لگام جذبوں کو احکامات الٰہی کے تابع کرنا پڑے تو انسان اس خدا پرستی کے قریب بھی نہ جائے تو دراصل ایسا انسان پہلی صورت میں بھی نفس پرستی ہی کر رہا ہوتا ہے جو خدا پرستی کے روپ میں تھی کیونکہ عبادت کا وہ مظہر اس کی

1۔ التوبہ 9:19-23

Marfat.com

ذاتی تسکین کا ذریعہ تھا اور نہ وہ اس کے بھی قریب نہ جاتا۔

ان آیات طیبات سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی خوشنودی ورضا مندی کی دولت جاوداں صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاتے ہیں اس کی محبت میں جان مال، وطن اور جس چیز کا مطالبہ ہو سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ یعنی اللہ کی رضا خدا پرستی کے روپ میں نفس پرستی کرنے والوں کو نہیں ملتی بلکہ نفس پرستی کو خدا پرستی پر قربان کرنے والوں کو ملتی ہے۔ جس شخص کو اپنی انا اتنی محبوب ہو جائے کہ وہ اس کے لیے خدائی احکامات بھی پس پشت ڈال دے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا باغی اور اس کی رحمتوں سے محروم ہے اور جو شخص اللہ کی محبت میں انا، مفاد، خواہش اور اپنی جان تک قربان کرنے کو اپنی سعادت سمجھے وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی دولت جاوداں پاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ (1)

"اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اس کی انا اسے اور زیادہ گناہوں کی گرفت میں لے جاتی ہے۔ تو ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ ہے اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی رضا پانے کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کے لیے بہت ہی مہربان ہے"۔

خدا پرستی کا تقاضا صرف جسم کا اس کے آگے جھکنا نہیں ہے بلکہ خواہشات اور ذوق کو بھی اسی کے حضور سجدہ ریز ہونا چاہیے۔ جو شخص خدا پرستی کی راہ چھوڑ کر نفس پرستی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نور ہدایت سلب کر لیتا ہے اور اسے گمراہی کی وادیوں میں

1۔ البقرہ 2:206-207

دھکیل دیتا ہے اور کوئی اسے ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔

ارشاد ہوتا ہے:

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾ (1)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔ اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اسے ہدایت دے گا تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''۔

انسان کے سامنے دونوں راستے واضح ہیں وہ خدا پرستی کی راہ پر چلے یا نفس پرستی کا راستہ اختیار کر لے۔ خدا پرستی کا راستہ اپنی ذات کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کا متقاضی ہے اور نفس پرستی وہ خواہ نفس پرستی کے روپ میں ہو یا خدا پرستی کی شکل میں۔ دراصل محبت الٰہی سے محرومی اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کچھ سمجھنے کا نام ہے۔

خدا پرستی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان صرف مخصوص عبادات بجالانے پر ہی اکتفا کرے بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کی محبت میں اپنی انا، مفاد، ذوق، رسم و رواج اور جس چیز کا مطالبہ محبت الٰہی کرے وہ سب کچھ قربان کر دے۔

نفس پرستی انسان کو اللہ کی رحمتوں سے دور کر کے اس پر ابدی گمراہی مسلط کرنے کا سبب ہے اور خدا پرستی کا راستہ اتنا دلکش اور پرکیف ہے کہ یہاں انسان کو سب کچھ لٹا کر بھی وہ لذتیں ملتی ہیں جو نفس پرستی کا خوگر سب کچھ پا کر بھی محسوس نہیں کرتا۔ نفس پرست سب کچھ پا کر بھی سب کچھ برباد کر چکا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ لٹا کر اس کیف میں ہوتا ہے کہ۔

1۔ الجاثیہ 23:45

حاصل عمر نثار رہ یار کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ اس نے نفس پرستی کی راہ پر چلنا ہے یا خدا پرستی کی راہ پر۔ ع

فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

Marfat.com

عزت وآبرو- چند حقائق

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ
يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹

(النساء4:138-139)

"آپ منافقوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ یہ وہ ہیں جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنے دوست بناتے ہیں۔کیا یہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بے شک تمام تر عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے"۔

Marfat.com

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

Marfat.com

بچوں کے ادب کی ایک کہانی ہے کہ علم، دوست اور عزت کہیں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نشست ختم ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھر جانے لگے تو ایک نے کہا اپنا اپنا کوئی ٹھکانہ تو بتادو تا کہ اگر کبھی بعد میں ملاقات کرنی ہو تو آسانی رہے۔ علم نے کہا اگر مجھے تلاش کرنا ہو تو مدارس میں آجانا۔ دولت کہنے لگی اگر مجھ سے ملاقات کرنی ہو تو بادشاہوں، وزیروں اور تاجروں کے پاس آنا۔ عزت نے کہا اگر میں ایک مرتبہ چلی جاؤں تو پھر میں واپس کبھی نہیں آتی۔

عزت و آبرو انسان کے لیے وہ نایاب خزانہ ہے جو طویل جدوجہد کے بعد اسے ملتا ہے۔ اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ سے چلا جائے تو کبھی دوبارہ نہیں ملتا۔ بیمار تندرست ہو جاتے ہیں، زخمی صحت یاب ہو جاتے ہیں، گداگر بادشاہ بن جاتے ہیں، ویران شہر دوبارہ آباد ہو جاتے ہیں، کھوئے ہوئے عہدے واپس مل جاتے ہیں لیکن نظروں سے گرا ہوا انسان کبھی دوبارہ عزت و آبرو کے پہلے مقام پر فائز نہیں ہوتا۔ زندگی کی طرح عزت بھی صرف ایک بار ملتی ہے۔

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

ہر انسان عزت و آبرو کا تحفظ چاہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتا کہ اس کی عزت خاک میں جائے، وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے اور اس کی آبرو کسی بھی مقصد کی بھینٹ چڑھ جائے اس کی طلب تو درست ہے اس کے جذبے بھی صادق ہیں لیکن وہ عزت پانے اور بچانے کے لیے جو راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ عزت کا نہیں ذلت کا راستہ ہوتا ہے۔ انسان اپنی کم فہمی سے زہر ہلاہل کو آب حیات سمجھ لیتا ہے اور اپنی عزت اپنے ہی ہاتھوں سے خاک میں ملا دیتا ہے۔

طاقت کے بل بوتے پر کسی سے عاجزی کروالینا، اقتدار کے جبر سے کسی سے احترام کروالینا اور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کے اپنی تکریم کروانا عزت نہیں کہلاتا حقیقی عزت وہ ہوتی ہے جو بغیر کسی جبر و اکراہ کے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہے اور پوری زندگی پہ محیط ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ انسان تخت پہ بیٹھا ہو یا کٹیا نشین ہو جائے، وہ کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو یا ایک عام انسان کی طرح رہ رہا ہو۔ اگر ہر حال میں اس کی تکریم میں فرق نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و آبرو کی دولت سرمدی عطا فرما دی ہے اگر کوئی صاحب اقتدار اور ذی حشم ہو تو اس کی بے پناہ تکریم و تعظیم کی جائے اور اگر اقتدار چھن جائے تو کوئی تکریم بجالانے والا نہ رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دور اقتدار کی عزت، عزت نہیں اس کے جبر کی ایک صورت اور اس کے شر سے بچنے کا ایک حیلہ تھا۔

عزت متاع بازار نہیں، جبراً چھین لینے والا سرمایہ نہیں بلکہ حقیقی عزت بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی دلیل ہے عزت کا منبع اور تکریم کا مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے ایک بندہ جتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے مخلوق کی نگاہوں میں اتنا ہی معزز ہو جاتا ہے۔ عزت کے سوتے گناہ سے نہیں ایمان سے پھوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

"(منافق) کہتے ہیں اگر ہم مدینے پہنچے تو عزت والا شخص وہاں سے اس کو نکال دے گا جس کی کوئی عزت نہیں ہے بے شک ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ہے لیکن منافقوں کو اس کا علم نہیں ہے"۔ (1)

عزت کا طالب تو ہر انسان ہوتا ہے لیکن وہ عزت پانے کا ذریعہ ذات باری تعالیٰ کو نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے عزت طلب کرتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اسے ابدی ذلتوں کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔ پانی چشموں سے ملتا ہے صحراؤں سے نہیں عزت اللہ رب العزت کے در پہ جھکنے سے ملتی ہے اس کے نافرمانوں سے وابستگی میں نہیں۔ ارشاد

1۔ المنافقون 8:64

Marfat.com

باری تعالیٰ ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹ (1)

''منافقوں کو دردناک عذاب کی خبر دیجئے جو اہل ایمان کو چھوڑ کے کافروں کو اپنے دوست بناتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں بے شک تمام تر عزت اللہ رب العزت ہی کے لیے ہے''۔

انسان اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ گناہ، سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا راستہ اسے حقیقی عزت نہیں دے گا بلکہ یہ ذلتوں کا راستہ ہے۔ عزت کا راستہ تو صرف اور صرف اطاعت الٰہی کا راستہ ہے باقی سب تکلف ہے، حصول مقصد کے ڈھونگ اور شر سے بچنے کی صورتیں ہیں۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے　　رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

عموماً انسان اس حقیقت کو فراموش کر کے عزت پانے کے لیے کتنے ہی پاپڑ بیلتا ہے لیکن جس عمارت کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو بھلا وہ سیدھی کیسے ہوسکتی ہے۔ نتیجۃً اسے ذلتوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

زرد پتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہاتھ آیا
میں نے آنگن میں بہت پیڑ اگا کے دیکھے

انسان معزز بننے کے لیے دوستوں سے وفاداری نبھانا چاہتا ہے اور اس میں اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے دوستوں کو خوش رکھنا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری عزت اسی صورت میں باقی رہے گی کہ میں اپنے تعلق داروں کا ساتھ دوں ورنہ مجھے بیوفائی کا طعنہ سننا پڑے گا۔ لیکن اللہ کی نافرمانی کر کے عزت بچاتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس

1۔ النساء 4:138-139

Marfat.com

قانون کو بھول جاتا ہے جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ جن اعزہ واقارب کے لیے وہ اتنا کچھ کرتا ہے کل وہی اس کا گریبان پکڑ لیتے ہیں۔ اوراس کی عزتوں کے تعمیر کردہ تمام خودساختہ محل دھڑام سے زمین بوس ہوجاتے ہیں۔

وہ میں نے جس کے لیے ساری حدوں کو توڑ دیا
یہ آج اس نے کہا ہے کہ اپنی حد میں رہو

کبھی انسان یہ سوچ لیتا ہے کہ میری اولاد اور مال دوست ہی میری عزت کا سبب بنیں گے۔ یہ درست ہے کہ یہ چیزیں عزت کا سبب تو ضرور ہیں بشرطیکہ انہیں پانے اور پروان چڑھانے میں رب العزت کی نافرمانی نہ کی جائے ورنہ یہ عزت میں اضافہ نہیں کرتیں بلکہ ذلتوں کا سامان بن جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ (1)

"اور ان کا مال اور اولاد تجھے تعجب میں نہ ڈالے اللہ تعالیٰ دنیوی زندگی کے ذریعے انہیں عذاب دینا چاہتا ہے اور یہ کہ کفر کی حالت میں ان کا دم نکلے"۔

عزت کا منبع ذات باری تعالیٰ ہے۔ اسے ناراض کر کے مال و دولت عزت کا سبب نہیں بلکہ ذلت کا ذریعہ بنتے ہیں انسان سوچ لیتا ہے کہ عزت ہمیشہ اسی چیز سے ملتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں پر فائق رہے۔ اسی طرح اگر کبھی اس سے غلطی بھی ہو جائے تو وہ اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتا۔ اپنی بات پہ ڈٹ جاتا ہے۔ ایک غلطی کو چھپانے کے لیے کئی غلطیاں کر جاتا ہے۔ جب کہ عزت نفس پرستی میں نہیں خدا پرستی میں ہے۔ انا کا بت پالنے میں نہیں حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَلَا تَوَاضَعَ

1۔ التوبہ 85:9

اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ (1)

''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا، معذرت کرنے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو بھی بندہ اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے''۔

عزت انا پرستی سے نہیں حق پرستی سے ملتی ہے۔ حصول عزت کے لیے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے ملنا انسان کی تباہی کا سبب ہے۔

حضرت ابوریحانہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ انْتَسَبَ اِلٰی تِسْعَةِ آبَاءٍ کُفَّارٍ یُرِیْدُ بِهِمْ عِزًّا فَهُوَ عَاشِرُهُمْ فِی النَّارِ (2)

''جو شخص عزت چاہتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے کافر نو اباء کی طرف منسوب کرے گا تو وہ دوزخ میں ان کے ساتھ دسواں ہوگا''۔

انسان سمجھتا ہے اگر میں نے اپنے دشمن سے بدلہ نہ لیا تو میری توہین ہو جائے گی۔ لوگ اسے میری کمزوری سمجھیں گے اور میں لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے عزت بدلہ لینے میں نہیں اللہ کی رضا کے لیے معاف کرنے میں رکھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں اگر میں چاہوں تو ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔ اور وہ یہ ہیں۔

لَا یَنْقُصُ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ فَتَصَدَّقُوْا، وَلَا یَعْفُوْ رَجُلٌ عَنْ مَظْلِمَةٍ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ بِهَا عِزًّا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَفْتَحُ رَجُلٌ عَلٰی نَفْسِهٖ بَابَ مَسْاَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَابَ فَقْرٍ (3)

''صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا پس تم صدقہ کرو اور جو بھی آدمی کسی کی زیادتی کو

1۔ صحیح ابن حبان، ج 8، ص 40، محمد بن حبان بن احمد، رقم الحدیث، 3248، موسسۃ الرسالۃ، بیروت (1414ھ، 1993ء) 2۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 1، ص 41، رقم الحدیث 443، دار الحرمین، القاہرہ

3۔ اتحاف الخیرۃ المہرۃ، ج 3، ص 6، احمد بن ابوبکر بن اسماعیل البوصیری، رقم الحدیث 2052

Marfat.com

اللہ کے لیے معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عزت میں اضافہ فرمائے گا۔ اور جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے"۔

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَظْلِمَةٍ اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا فَاعْفُوْا يُعِزَّكُمُ اللّٰهُ الخ (1)

"جو شخص کسی زیادتی پر کسی کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔ پس تم معاف کر دیا کرو۔ اللہ تمہاری عزت میں اضافہ فرمائے گا"۔

وہ عزت جو کسی تکلف یا جبر کی بنیاد پر حاصل کی جاتی ہے وہ ذلت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ اَخَذَ عِزًّا بِغَيْرِ حَقٍّ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ ذُلًّا بِحَقٍّ وَمَنْ اَخَذَ مَالًا بِظُلْمٍ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ فَقْرًا بِغَيْرِ ظُلْمٍ (2)

"جس نے بغیر حق کے کوئی عزت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ اسے حق کے ساتھ ذلیل کر دے گا اور جو کسی مال پر ظلم کرتے ہوئے قبضہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بغیر ظلم کے اس پر فقر مسلط کر دے گا"۔

جو شخص اپنی عزت بچانے کے لیے حق سے انحراف کر لیتا ہے تو وہ شخص دراصل اپنے لیے ذلت کا سامان کر رہا ہوتا ہے اور محبت الٰہی کی تو علامت ہی یہ بتائی گئی۔

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ الخ (3)

"اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے"۔

1۔ المعجم الصغیر للطبرانی، ج 1، ص 102، رقم الحدیث 142، المکتب الاسلامی، بیروت

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 4، ص 404، رقم الحدیث 5558، دار الکتب العلمیہ، بیروت

3۔ المائدہ 54:5

Marfat.com

انسان کو عزت محبوب ہونی چاہیے لیکن حق عزت سے بڑھ کر محبوب ہونا چاہیے جو شخص حق کے لیے اپنی عزت قربان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سرمدی عزتوں کے تاج پہنا دیتا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

عزت ہر انسان کو مطلوب ہے لیکن عزت کا مصدر ذات باری تعالیٰ ہے۔حق سے وابستگی سے ہی وہ دائمی عزت ملتی ہے جس کے بعد کبھی ذلت نہیں۔اور عظمت کے وہ تاج پہنائے جاتے ہیں جو کبھی نہیں اترتے۔

Marfat.com

خودداری - دولت بے بہا

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

(النساء4:32)

''اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے کسی کو دوسرے پر جو بزرگی اور برتری عطا کی ہے اس کے در پے نہ ہوا کرو''۔

Marfat.com

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی، نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے، وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

(اقبال)

Marfat.com

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

کسی نے حاتم طائی سے پوچھا کہ کیا کبھی آپ نے اپنے سے بڑے باہمت شخص کو دیکھا ہے۔اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ایک دن میں نے بہت بڑی دعوت کی۔ چالیس اونٹ ذبح کیے۔ کسی ضرورت کے لیے میں صحرا میں گیا۔ایک شخص کو دیکھا جو ٹہنی جمع کر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم حاتم کے ہاں کیوں نہیں جاتے۔ وہاں آج بہت بڑی دعوت کا اہتمام ہے۔ایک دنیا اس کے دستر خوان پر کھانا کھا رہی ہے تو میری بات سن کر وہ کہنے لگا۔

ہر کہ نان از عمل خویش خورد منت حاتم طائی نہ برد

''جو شخص اپنی محنت سے روزی کماتا ہے وہ حاتم کا احسان کبھی نہیں اٹھاتا''۔

عزت نفس کی حفاظت اور خودداری کا تحفظ وہ متاع بے بہا اور دولت گرانمایہ ہے جو انسان کو عظمت کے تاج پہنا دیتی ہے۔ ہر انسان کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اگر وہ اسے اچھی طرح سمجھ لے تو نہ کبھی اس کا سر شکر کے سجدوں سے جھکے اور نہ ہی وہ کسی بھی قسم کی احساس کمتری میں مبتلا ہو۔ دوسرے کے محل کو دیکھ کر اپنی جھونپڑی سے نفرت کرنا کم ہمتی بھی ہے اور اپنے رب کی عطا و تقسیم پر اعتراض بھی۔ خداوند حکیم کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لانا اور کسی کا دست نگر ہو کر جینا گھٹیا پن تو ہے ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری بھی ہے۔

خودداری اور عزت نفس کی متاع بے بہا کو حاصل کرنے کے لیے دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ایک تو انسان اچھی طرح سمجھ لے صرف اللہ کے در سے مانگنے سے ہی میری عزت میں اضافہ ہوگا اس کے در سے آس لگانے سے میری توقیر بڑھے گی اور اللہ کے سوا کسی بادشاہ، وزیر، جاگیردار اور وڈیرے سے مانگنا بھی میری توہین اور اس سے آس لگنا بھی میری موت ہے۔ جب انسان اپنا ملجا و ماویٰ ذات باری تعالیٰ کو سمجھ لیتا ہے تو ہر

انسان اپنی ذات میں بادشاہ بن جاتا ہے اور میرے رب نے ہر انسان کو ایسا ہی بنایا ہے بشرطیکہ وہ اس کا ادراک کرلے۔ ترجمان حقیقت حضرت اقبال نے فرمایا تھا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ سے دوری ذلت ہے اور اللہ سے قرب عزت و خودداری ہے۔

اور دوسری چیز اپنے دائرہ کار کا تعین کرنا ہے کہ انسان اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے کہ میرا کام جدوجہد کرنا اور بھرپور کوشش کرنا ہے۔ اگر میری تمام تر کوششوں کے باوجود بھی مجھے میری خواہشات کے مطابق نہیں ملا تو دراصل یہی میرے رب کا فیصلہ ہے مجھے اسے پانے کے لیے نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہیے اور نہ اس کے نہ ملنے پر کسی احساس کمتری میں مبتلا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے بہت بہتر جانتا ہے کہ کیا چیز میرے لیے بہتر ہے اور کیا چیز نقصان دہ ہے مجھے کیا ملنا چاہیے اور کیا نہ ملنا چاہیے۔ اللہ کی تقسیم بدلنے کی کوشش ہی غارت گر ایمان اور ہر خرابی کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ (1)

”اور اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے پر جو برتری عطا کی ہے اس کے درپے نہ ہوا کرو۔ مردوں نے جو کام کیے ہیں انہیں ان کا صلہ ملے گا۔ اور عورتوں نے جو کام کیے ہیں انہیں ان کا صلہ ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے

1۔ النساء 32:4

Marfat.com

فضل کی التجاء کرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر شی کو خوب جاننے والا ہے"۔

یعنی اللہ کی وہ تقسیم جو تمہاری جدوجہد سے ماوراء ہے اسے پانے کے لیے کڑھتے نہ رہا کرو بلکہ جو تمہیں مل گیا ہے اسی نعمت کی قدر کرو اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ تمہیں کیا ملنا چاہیے اور کیا نہ ملنا چاہیے۔ کائنات کے نظام میں اپنی عقل و دانش پر حکمت الٰہی کو ترجیح دیتے رہا کرو۔

جب بندہ انہیں اچھی طرح سمجھ لے کہ میرا ہاتھ جب خدا تعالیٰ کے حضور اٹھے گا تو میری عزت میں اضافہ ہوگا اور جب کسی بھی شاہ وقت یا صاحب تخت و تاج کے سامنے اٹھے گا تو میری توقیر کا چاند گہنا جائے گا۔

اور جتنے بھی سہارے ہیں سبک کرتے ہیں
عزت نفس بڑھاتا ہے سہارا تیرا

اس حقیقت کا ادراک اسے عزت نفس کی دولت اس حد تک عطا فرمادے گا کہ اس کا ہاتھ جب بھی اٹھے گا اپنے کریم رب کے سامنے اٹھے گا اور اس کی جھولی جب بھی پھیلے گی اسی کریم کے سامنے پھیلے گی۔ ہادی برحق ﷺ نے صحابہ کرام کو خودداری اور عزت نفس کا ایسا ہی سبق پڑھایا تھا۔

حضرت عوف بن مالک الاشجعی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلَا تُبَایِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کُنَّا حَدِیْثُ عَھْدٍ بِبَیْعَۃٍ فَقُلْنَا: قَدْ بَایَعْنَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا تُبَایِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقُلْنَا قَدْ بَایَعْنَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ قَالَ: اَلَا تُبَایِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَالَ فَبَسَطْنَا اَیْدِیَنَا وَ قُلْنَا: قَدْ بَایَعْنَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَعَلٰی مَا نُبَایِعُکَ؟ قَالَ: عَلٰی اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَالصَّلٰوتِ الْخَمْسِ وَ تُطِیْعُوْا وَ اَسَرَّ کَلِمَۃً خَفِیَّۃً وَلَا تَسْاَلُوا النَّاسَ شَیْئًا فَلَقَدْ کَانَ بَعْضُ اُولٰٓئِکَ النَّفَرِ یَسْقُطُ سَوْطُ اَحَدِھِمْ فَمَا

Marfat.com

یَسْأَلُ اَحَدًا اِیْنَاوِلُہُ اِیَّاہُ (1)

''کیا تم اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔ اور ہم نے کچھ دیر پہلے ہی بیعت کی تھی۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا تم اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دست اقدس پہ بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا تم اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے ہم نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہم کس چیز پہ آپ کی بیعت کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس چیز پہ کہ اللہ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ پانچ نمازیں پڑھو گے اور اطاعت کرو گے۔ پھر آپ نے آہستہ سے ایک کلمہ فرمایا کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔ بعد میں ان لوگوں کی یہ حالت تھی۔ کہ اگر ان میں سے کسی کا کوڑا نیچے گر جاتا تو وہ کسی سے (اسے پکڑانے کا بھی) سوال نہیں کرتے تھے''۔

حضرت اقبال نے اسرار خودی فاش کرتے اور عزت نفس کا درس دیتے ہوئے کہا تھا۔

خود فرود آ از شتر مثل عمر الحذر از منت غیر الحذر

ماہ را روزی رسد از خوان مہر داغ بر دل دارد از احسان مہر (2)

''(کوڑا اٹھانے کے لیے) حضرت عمر کی طرح اونٹ سے نیچے اتر آ، بچ جا۔ دوسرے کا احسان اٹھانے سے بچ جا۔

چاند کو سورج کے دستر خوان سے رزق (نور) ملتا ہے سورج کے اسی احسان کے سبب اس پہ داغ اور دھبے پڑ گئے ہیں''۔

1۔ السنن الکبریٰ، ج 4، ص 196، ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، رقم الحدیث 8127، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد

2۔ اسرار خودی، ص 24، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يَّتَكَفَّلُ لِي أَنْ لَّا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا وَ أَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟

قَالَ ثَوْبَانُ أَنَا۔ قَالَ فَكَانَ ثَوْبَانُ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا

"مجھے اس چیز کی ضمانت کون دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔ اور میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ حضرت ثوبان فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔ میں یارسول اللہ! تو حضرت ثوبان کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے"۔

سوال عزت نفس کے لیے موت ہے اور خودداری کے لیے زہر ہلاہل

جھکا دے گا تیری گردن کو یہ خیرات کا پتھر
جہاں میں مانگنے والوں کے سر اونچے نہیں رہتے

(مولوی اسلم)

جب انسان اللہ کی طرف دیکھنے لگے تو وہ لوگوں کی طرف کبھی نہیں دیکھتا۔ لوگوں سے بچ کر اللہ کی طرف دیکھنے والا ہی دولت خودداری کا امین اور حقیقی بادشاہ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی تھی۔

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا

(اقبال)

صرف اللہ کے در پہ اپنا ہاتھ پھیلانے والا شاہ وقت ہوتا ہے اگرچہ کسی کٹیا میں بیٹھا ہو اور دوسروں کی طرف دیکھنے والا گدا گر ہوتا ہے اگرچہ تخت نشین ہو۔

ایک مرتبہ مجھے بھی ایک ایسے ہی عزت نفس کے محافظ اور وقت کے بادشاہ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ پرانی بات ہے میں ٹوٹے ہوئے جوتے مرمت کروانے کے لیے اپنے آبائی گاؤں میں ایک موچی کے پاس گیا۔ وہ ایک ساٹھ ستر سال کے بزرگ تھے۔ سلانوالی کے

Marfat.com

صدر بازار میں بیٹھ کر جوتے گانٹھا کرتے تھے میں نے جوتوں کا شاپر ان کے آگے رکھ دیا۔ ڈھیر سارے جوتے تھے باتوں باتوں میں تعارف ہو گیا۔ انہوں نے مجھے بڑے اچھے اچھے شعر سنائے شعر سن کر میں بڑا محظوظ بھی ہوا اور حیران بھی۔ کہ یہ کیسا آدمی اس روپ میں چھپا بیٹھا ہے۔ جب کام مکمل ہو گیا تو اس نے حساب کتاب کر کے مجھے بتایا کہ سترہ روپے ہو گئے یہ نوے کی دھائی کی بات ہے اس وقت سترہ روپے بھی کافی ہوتے تھے میں نے اسے بیس روپے دیئے۔ جب وہ تین روپے مجھے واپس کرنے لگے تو میں نے کہا نہیں بابا جی! رہنے دیجئے۔ اس نے غضب ناک نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا پروفیسر صاحب!

میں اور التجائے کرم آپ سے کروں
یہ بھیک اس کو دیجئے جس کا خدا نہ ہو

اس نے یہ شعر پڑھا اور تین روپے میری ہتھیلی پہ رکھ دیئے میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور بہت خوش بھی کہ آج میں نے وقت کا سلطان دیکھا ہے۔ اس سے پہلے وہ مجھے یہ شعر بھی سنا چکے تھے۔

اہل کرم بضد ہیں کہ کوئی التجا کریں
اور التجا گدائی ہے مشکل یہی تو ہے

ایسے ہی ایک سلطانِ وقت کا ایک واقعہ عنایت اللہ مرحوم نے درج کیا ہے کہ ان کے گروہ نے انہیں اپنی نوجوانی کی بات سنائی کہ سردیوں کی ایک یخ بستہ شام تھی۔ انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ ایک اعلیٰ ہوٹل میں کھانے کا پروگرام بنایا۔ وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اس نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس نے بوسیدہ سے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ گھٹنا پاجامے سے باہر جھانک رہا تھا اور اوپر ایک ہلکا سا کھیس کیا ہوا تھا۔ جو اس سردی کو روکنے میں قطعاً ناکافی تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بابا جی مجھے کہنے لگے کہ میں اس گیٹ پر رات کو ڈیوٹی کروں گا۔ میں نے کہا اتنی سردی میں یہ معمولی سے کپڑے؟ اس پھٹے ہوئے پاجامے کو پھینک کیوں نہیں دیتے؟ اس نے کہا بیٹا پھینک دوں گا تو پہنوں گا کیا؟ اس نے

Marfat.com

بتایا کہ ایک رات اسے سردی لگ گئی تھی سینہ میں درد ہونے لگا تھا۔اس کی بیوی کہنے لگے کہ میں نے چند چمچ چینی اور تھوڑی سی چائے کی پتی چھپا کر رکھی ہوئی ہے بچے سو جائیں تو آپ کو چائے کا کپ بنا کے دیتی ہوں۔یعنی وہ اتنا غریب تھا کہ اپنے بچوں کو چائے کا کپ نہیں پلا سکتا تھا۔اور چائے کو بطور دوائی استعمال کرتا تھا۔پھر اس نے بتایا کہ بچے سو گئے تو میری بیوی نے چائے کا کپ بنایا۔میں نے اسے بہت کہا کہ آدھا تم پی لو لیکن وہ نہیں مانی۔ میرے اصرار پہ اس نے ایک گھونٹ بھرا۔اور باقی چائے میں نے پی۔تب میرے سینے کا درد ختم ہوا۔کہنے لگا بیٹا تم لوگ تو دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ چائے پیتے ہو۔ہم لوگ تو چائے کا کپ بھی بطور دوائی پیتے ہیں۔میں نے سوچا شاید یہ بھی کوئی بھیک مانگنے کا طریقہ ہو۔پھر میں نے سوچا کہ میں اتنے مہنگے ہوٹل پہ کھانا کھانے جا رہا ہوں۔اگر میں اسے کچھ پیسے دے دوں اور اس کے بچے چائے پی لیں تو آخر کیا ہو جائے گا۔آگے کیا ہوا یہ عنایت اللہ مرحوم مدیر کی ''حکایت'' کے الفاظ میں ہی سنیں۔

''سورج غروب ہو چکا تھا دور مجھے اپنا دوست آتا نظر آ رہا تھا۔میں نے جیب سے ایک روپیہ نکالا اور چوکیدار کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا یہ رکھ لیں بڑے میاں! میری طرف سے خود بھی چینی کی چائے پینا، بیوی اور بچوں کو بھی پلانا۔تو سوچتا ہو گا کہ اس بڈھے کو ایک روپیہ دے کر میں نے اپنے دوست سے کہا ہو گا کہ میں نے آج قارون کی قبر پر لات ماری ہے۔میرے عزیز میں جس زمانے کی بات کر رہا ہوں۔ایک روپیہ آج کے پچاس روپوں کے برابر ہوا کرتا تھا۔

بات روپے کی قیمت کی نہیں۔بات اس کی سن جسے میں نے ایک روپیہ دینا چاہا تھا۔ اس نے اپنی طرف بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا تو یوں بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا جیسے میں نے جیب سے زہریلا سانپ نکال کر اس پر پھینکنا چاہا ہو۔اس کے زرد پیلے چہرے پر سرخی آ گئی تھی۔اس کے نیلے ہونٹوں کا تبسم غائب ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی کھل گئیں تھیں اور لگتا تھا کہ ان آنکھوں سے شعاعیں نکلیں گی اور مجھے بھسم کر دیں گی۔

پہلے اس کے ہونٹ کانپے پھر اس کی زبان نے یکسر بدلے ہوئے لہجے میں یہ الفاظ کہے "یہ کیا بیٹا! میں نے بھیک تو نہیں مانگی تھی۔ تمہیں مسلمان سمجھ کر دل کی باتیں کہہ ڈالی تھیں اور تم نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے...... نہ بیٹا نہ...... میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ صبر اور اللہ کے شکر میں جو تپش ہے وہ مجھے سردی سے بچائے رکھتی ہے...... بھیک ہی مانگنی تھی تو رات بھر چوکیداری کیوں کرتا......۔

عین اس وقت میرے دوست کی آبادی کی مسجد سے مغرب کی اذان کی صدائے مقدس بلند ہوئی۔ چوکیدار بولتے بولتے چپ ہو گیا پھر بولا...... نماز پڑھ لوں...... وہاں گھاس تھی۔ جسے کہر نے گیلا کر رکھا تھا۔ اور میں اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ گھاس کتنی ٹھنڈی ہو گی۔ چوکیدار وہیں میرے قریب ہی قبلہ رو ہو گیا۔ کئی بار مرمت کیے ہوئے جوتے اتارے اور ننگے پاؤں یخ بستہ گھاس پہ کھڑا ہو گیا...... مجھ سے بمشکل ایک قدم دور۔

وہ نماز پڑھنے لگا۔ تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس کی زبان سے سرگوشیوں میں ادا ہوتا ہر لفظ سن رہا ہوں۔ میرے کان اس کی طرف تھے...... اور اس کی مجھے بلند سرگوشی سنائی دی۔ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کے طلبگار ہیں)۔

میں نہیں بتا سکتا کہ اس کی سرگوشی بلند ہو گئی تھی۔ یا میری روح نے اس کی زبان سے ادا ہوئے الفاظ سن لیے تھے۔ جو کچھ بھی ہوا تھا۔ میں نے یوں محسوس کیا۔ جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر کہا ہو بد بخت انسان! کیا تو نے ایک روپے پر میرا ایمان برباد کرنا چاہا تھا؟ تو روپے کا پجاری ہو سکتا ہے۔ میں اس کا پجاری ہوں جس نے پیدا کیا ہے۔ اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ دے گا تو شکر نہیں دے گا تو صبر۔

میرے ذہن میں بڑے زور کا دھماکہ ہوا۔ آواز آئی تو ناشکرا ہے۔ اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنی قسمت کو کوستا ہے کہ کسی امیر گھرانے میں کیوں نہ پیدا ہوا۔ یہ مت پوچھ کہ میرا دوست آیا تو میں کس ذہنی اور روحانی کیفیت میں اس کے ساتھ گیا۔ پھر کیا ہوا۔ تیرے

Marfat.com

مطلب کی بات یہ ہے۔ کہ میرا پہلا استاد یہ ان پڑھ اور یخ ٹھنڈ میں کانپتا چوکیدار تھا۔ اس روز میرا احساس بیدار ہوا اور فطرت کے در کھلتے گئے۔ (1)

خودداری اور عزت نفس کی متاع بے بہا بازار سے خریدی نہیں جاتی یہ خزانوں کا مالک اللہ کو سمجھنے سے ملتی ہے۔ اللہ کی تقسیم کی حقانیت پر کامل یقین اس کو جلا بخشتا ہے۔ جب یہ دولت مل جائے تو انسان سلطانِ وقت بن جاتا ہے نہ اس کا ہاتھ اللہ کے سوا کسی کے آگے اٹھتا ہے نہ اس کی جھولی کسی کے آگے پھیلتی ہے نہ وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کو رحم طلب نظروں سے دیکھتا ہے۔ اللہ کی ذات سے زندہ اور قوی تعلق سے جس نے عزت نفس کو محفوظ کر لیا۔ اس نے وقت کی شاہی پا لی۔

غیرت ہے بڑی چیز جہاں تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

(اقبال)

1۔ اس نے کہا: ص 69-70، عنایت اللہ، حکایت پبلشرز، میکلورڈ روڈ، لاہور

Marfat.com

علم، مقاصد و درکات

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ط (فاطر 28:35)

''اللہ سے صرف علم والے ڈرتے ہیں''۔

ہمائے علم تا افتد ہدامت
یقین کم کن، گرفتار شکے باش
عمل خواہی، یقیں را پختہ تر کن
یکے جوئے ویکے بین ویکے باش

(اقبال)

Marfat.com

اسلام نے علم کی اہمیت کو جس طرح اجاگر کیا ہے بلاشبہ وہ دنیا کی تاریخ میں اسلام کا ہی اختصاص ہے۔ پیغمبر اسلام پر جو وحی نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ ہی اقراء تھا یعنی پڑھیے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسلام کا تعارف ہی تعلیم اور تعلم ہوگا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو بھی بڑی صراحت سے بیان کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ ٹھہرانے کا سبب بھی وہ علم ہی تھا جو فرشتوں کے پاس نہیں تھا۔ ایک مقام پر علم اور اہل علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ (1)

”اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی راہ راست پر قائم رہتے ہوئے (یہی) گواہی دی“۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے بعد اہل علم کی گواہی کو مستند قرار دیا۔ اہل علم کو رفع درجات کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ (2)

”اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان کے اور جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے کئی درجے بلند فرمادے گا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے“۔

ایک مقام پر اہل علم کے شرف وفضیلت کو اس طرح بیان کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

”آپ فرما دیجئے۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور اس کی جس کے پاس کتاب (حق) کا علم ہے“۔ (3)

1۔ آل عمران 18:3 2۔ المجادلہ 11:58 3۔ الرعد 43:13

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو اعزاز دیتے ہوئے اور انہیں شرف وفضیلت سے نوازتے ہوئے اپنی گواہی کے بعد ان کی گواہی کو دلیل ٹھہرایا ہے۔

علم کے شرف وکمال کو واضح کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيقًا اِلَى الْجَنَّةِ (1)

''جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دے گا''۔

یعنی طلب علم میں چلنے والا جنت کی شاہراہوں پر چلے گا۔ طلب علم کے لیے نکلنا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے والے کی طرح ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ (2)

''جو شخص طلب علم میں نکلے وہ لوٹ کر آنے تک راہ خدا میں ہی ہے''۔

رسول کریم ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ ایک عالم تھا جو فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا اور دوسرا عابد تھا جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا۔ ان میں سے کون سا افضل ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَ يَقُومُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلٰى اَدْنَاكُمْ (3)

''جو عالم نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا ہے اور لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات کو قیام کرنے والے عابد پر اس طرح فضیلت حاصل

1۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 28، باب فضل طلب العلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج 5، ص 29، باب فضل طلب العلم

3۔ الترغیب والترہیب، ص 28، کتاب العلم، امام عبدالقوی المنذری، دار ابن حزم، بیروت

Marfat.com

ہے۔ جیسے مجھے تم میں سے کسی ادنیٰ درجہ کے شخص پر فضیلت حاصل ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں نیکی پر ہیں۔ اور ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ بہر حال یہ گروہ نیکی کرنے میں مصروف ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں ۔ دے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ پھر آپ نے فرمایا:

وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ وَ يُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ (1)

"اور یہاں تک اس گروہ کی بات ہے تو یہ لوگ فقہ اور علم حاصل کر رہے ہیں اور ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دے رہیں تو یہی گروہ پہلے گروہ سے افضل ہے۔ اور مجھے صرف معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ ان لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے"۔

اور اہل علم کے شرف و کمال کو بیان کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ جَاءَ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ (2)

"جو شخص احیاء اسلام کے لیے علم طلب کر رہا ہو اور اسی حال میں اسے موت آ جائے۔ اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فرق ہو گا"۔

اور ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى (3)

"جو شخص علم طلب کرے وہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے"۔

1۔ التبویب الموضوعی للحدیث، ج 1، ص 142، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ الترغیب الترہیب، ص 26، کتاب العلم، امام عبدالقوی المنذری، دار ابن حزم، بیروت

3۔ کنز العمال، ج 10، ص 139، علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندی، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

مقاصد علم

قرآن وسنت کے مذکورہ بالا چند شواہد سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی کہ اسلام میں تعلیم و تعلم کی اہمیت کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق علم حاصل کرنے کا مقصد و مدعا کیا ہے۔ کیا تعلیم حاصل کرنے کا مقصد صرف اچھی نوکری کا حصول ہے یا کچھ اور۔ اس سوال پر غور وخوض کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک گہری سازش کے تحت ایک ایسا ماحول بنایا گیا جس میں عملی طور پر یہ تسلیم کروانے کی بھرپور کوشش کی گئی کہ علم حاصل کرنے کا مقصد صرف اور صرف اچھی نوکری کا حصول ہے اور بڑی حد تک انہیں کامیابی بھی ہوئی۔

1834ء میں جب برطانیہ کا مشہور مدبر لارڈ میکالے (Thomas Babington Mecaulay) ہندوستان آیا۔ اس وقت یہاں برٹش راج قائم ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی گہرائی سے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک تعلیمی پالیسی بنائی۔ اس نظام تعلیم کو بنانے کے دو مقصد تھے ایک تو نوجوان نسل کو بلند عزائم یا مقصدیت سے دور کر دیا جائے اور دوسرا انہیں اسلامی افکار وخیالات سے محروم کر کے مغربی تہذیب کا دل دادہ بنا دیا جائے۔ لارڈ میکالے نے جس مقصد کے لیے یہ نظام تعلیم مرتب کیا تھا وہ مقصد اس کے اپنے الفاظ میں یہ تھا۔

> So that a generation may arise, which is indion in birth and English in thought.
>
> ''کہ یہاں ایک ایسی نسل پروان چڑھے جو پیدائش کے اعتبار سے ہندوستانی اور فکر کے اعتبار سے انگریز ہو''۔

اسی تعلیمی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ مقصد علم تبدیل ہو گیا اور ملازمت رخی تعلیم (Job oriented Education) کا تصور پروان چڑھنے لگا۔

اللہ تعالی بہترین جزا دے ان علماء حق کو جنہوں نے مدارس اسلامیہ قائم کر کے اسلامی سوچ کو عام کرنے میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ لیکن حکومتی سرپرستی میں چلنے

Marfat.com

والا تعلیمی نظام آج بھی ملازمت رخی تعلیم (Job oriented Education) کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکا۔

یہی وہ سوچ تھی جس کی تردید قرآن وسنت کی نصوص میں کی گئی اور اسلامی فکر کے حاملین ہمیشہ اس کی مذمت کرتے رہے مولانا روم جس کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم را برتن زنی مارے بود علم را بردل زنی یارے بود

ملازمت رخی تعلیم کو تو حکمائے اسلام نے انسان کے لیے زہر قاتل قرار دیا ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو

(اقبال)

جب علم کا حصول محض اچھی نوکری کا حصول نہیں یہ ایک ثانوی چیز ہے تو حصول علم کا مقصد ہے کیا، قرآن کریم میں وضاحت کی گئی کہ علم کا مقصد معرفت الٰہی اور انسانی شخصیت کا ارتقاء ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۗ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝۱۲۲ (1)

”اور یہ تو ممکن نہ تھا کہ سب کے سب اہل ایمان نکل کھڑے ہوں۔ تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کر آتا تا کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرتا اور واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو آگاہ کرتا تا کہ وہ بھی پرہیز کرنے والے بن جاتے“۔

یہاں تفقہ فی الدین سے مراد صرف مسائل کا علم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے اساسی دین کو جاننا اور اس میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے۔ اس سے مراد وہ علم ہے جو

1۔ التوبہ 122:9

Marfat.com

انسان کو حق شناس بنا دے اور انسان کو اس طرح باخبر کر دے کہ وہ آخرت کی بنیادوں پر اپنی زندگی کی تعمیر کرنا سیکھ جائے۔

یہاں حصول علم کا مقصد ''انذار'' بتایا گیا ہے یہ لفظ متنبہ کرنا یا آگاہ کرنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق علم کا مقصد اس سوچ اور طرز فکر کا حصول ہے جس کے تحت انسان پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق اتنا قوی اور مستحکم ہو جائے کہ وہ ہر کام سے پہلے سوچ لے کہ اس کام کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوگا۔ حصول علم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اس درجہ کی معرفت ہے جو انسان کو اس کی یاد میں اس طرح گم کر دے کہ وہ اس کی نافرمانی کا سوچ بھی نہ سکے۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

دَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّهُ يَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَقْصُوْدُ مِنَ التَّفَقُّهِ وَالتَّعَلُّمِ دَعْوَةَ الْخَلْقِ اِلَى الْحَقِّ، وَاِرْشَادَهُمْ اِلَى الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ وَالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ لِاَنَّ الْاٰيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ تَعَالٰى اَمَرَهُمْ بِالتَّفَقُّهِ فِى الدِّيْنِ، لِاَجْلِ اَنَّهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ اَنْذَرُوْا بِالدِّيْنِ الْحَقِّ، وَاُولٰٓئِكَ يَحْذَرُوْنَ الْجَهْلَ وَالْمَعْصِيَةَ وَيَرْغَبُوْنَ فِىْ قَبُوْلِ الدِّيْنِ، فَكُلُّ مَنْ تَفَقَّهَ وَتَعَلَّمَ لِهٰذَا الْغَرَضِ كَانَ عَلَى الْمَنْهَجِ الْقَوِيْمِ وَالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ، وَمَنْ عَدَلَ عَنْهُ وَطَلَبَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ كَانَ مِنَ الْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (1)

''یہ آیہ کریمہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ دین کی فقاہت اور تعلیم سے مقصود مخلوق کو حق کی طرف بلانا ہے، صراط مستقیم اور سیدھے دین کی طرف ان کی

1۔ التفسیر الکبیر، ج 16، ص 228، امام فخر الدین رازی، مکتبۃ الاعلام الاسلامی

Marfat.com

رہنمائی کرنا ہے کیونکہ (یہاں کہا گیا کہ) جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں سچے دین کے متعلق آگاہ کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جہالت اور معصیت سے بچاتے ہیں اور دین حق کو قبول کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جس نے اس مقصد کے لیے علم حاصل کیا وہی سیدھی راہ پر اور صراط مستقیم پر گامزن ہوگا۔ اور جس نے اس سے انحراف کیا اور دین کے ساتھ دنیا کو طلب کیا وہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا ہوگا یہی وہ لوگ ہیں جن کی پوری جدوجہد دنیوی زندگی میں کم ہوگئی اور وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ بہت اچھا کر رہے ہیں''۔

یہ آیہ کریمہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق علم کی غرض وغایت سمجھنے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ دینی زاویہ نگاہ سے علم کا مقصد ''انذار'' یعنی عظمت باری تعالیٰ، احکامات الٰہی اور منشاء ایزدی سے آگاہ کرنا ہے۔ ایک اور مقام پر حصول علم کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (1)

''اللہ تعالیٰ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں''۔

اس آیہ کریمہ میں ''علما'' سے مراد معروف معنوں میں علماء اور دینی علم رکھنے والے لوگ ہی نہیں اور اس آیہ کریمہ کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ ''علماء'' تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن عوام اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔ وہ تاجر ہوں، اساتذہ ہوں۔ یا کوئی بھی اور طبقہ ہو اس آیہ کریمہ سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس علم آئے گا اس میں خشیت الٰہی آئے گی اور علم آنے کی علامت خشیت الٰہی کا آجانا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَیۡسَ الۡعِلۡمُ عَنۡ کَثۡرَۃِ الۡحَدِیۡثِ وَلٰکِنِ الۡعِلۡمَ عَنۡ کَثۡرَۃِ الۡخَشۡیَۃِ (2)

1۔ فاطر 28:35

2۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 3، ص 531، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر الدمشقی، دارالحدیث، القاہرہ

Marfat.com

''علم زیادہ باتیں کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ علم خشیت الٰہی کے زیادہ ہونے کا نام ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَلْعَالِمُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْ عِبَادِهٖ مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَ اَحَلَّ حَلَالَهٗ وَ حَرَّمَ حَرَامَهٗ وَ حَفِظَ وَصِيَّتَهٗ وَ اَيْقَنَ اَنَّهٗ مُلَاقِيْهِ وَ مُحَاسِبٌ بِعَمَلِهٖ (1)

''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اس کا علم رکھنے والا وہ ہے۔ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کے حلال کو حلال جانے اور حرام کو حرام۔ اس کے احکامات کو یاد رکھے اور یقین رکھے کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والا ہے۔ اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے''۔

حضرت وہب بن مالک فرمایا کرتے تھے:

اِنَّ الْعِلْمَ لَيْسَ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ وَاِنَّمَا الْعِلْمُ نُوْرٌ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ فِی الْقَلْبِ (2)

''بے شک علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرما دیتا ہے''۔

علم کی یہ مختلف تعبیریں دراصل ایک ہی بات کو بیان کرنے کے مختلف انداز ہیں سب کا مقصود یہی ہے کہ علم کی غرض و غایت معرفت الٰہی کا حصول ہے اور اس کا نتیجہ خشیت الٰہی ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ اسی کا ثمرہ ہے۔

ذات الٰہی کی معرفت کا کوئی ایک طریقہ ہی مخصوص نہیں اس لیے علم کی بھی ایک جہت نہیں۔ بلکہ ہر وہ علم جو انسان کو معرفت باری تعالیٰ اور خشیت الٰہی دے دے وہی علم اسلامی فکر میں محمود ہے اور باعث شرف ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ علم الادیان بلاواسطہ معرفت

1۔ نفس مصدر، ج 3، ص 531 2۔ ایضا

Marfat.com

الٰہی کا ذریعہ ہے اس لیے قرآن وسنت کا علم سب سے اعلیٰ اور اشرف علم ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ علم الادیان کے دیگر علوم اسلام میں مقصود نہیں یا باعث شرف نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق علم کا مقصود معرفت الٰہی ہے اور ہر وہ علم جو معرفت الٰہی عطا کر دے اور خشیت الٰہی کا ذریعہ بن جائے وہی علم حقیقی علم ہے اور اس کا حامل ایک اشرف واعلیٰ انسان ہے۔

مثلاً سائنس کا علم اگر انسان کو معرفت الٰہی دے دے تو وہ بھی عین باعث شرف علم ہو گا۔ آسان لفظوں میں علوم سائنس کی غرض وغایت یا اس کا موضوع یہ جاننا ہو کہ کائنات کیسے چل رہی ہے؟ اگر کسی شخص نے سائنسی علوم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ علم عین اسلام کا مقصود ومدعا ہو گا۔ اگر علم طب کا جاننے والا انسانی بدن میں چھپے قدرت الٰہی کے مظاہر دیکھ کر خشیت الٰہی کی دولت پا لے تو یہی علم اسلام میں مطلوب ہے۔ اگر کائنات میں تفکر وتدبر کسی انسان کو خشیت الٰہی کی متاع بے بہا دے دے تو یہی وہ علم ہو گا جس کے طالب کے راستے میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور جس کے حصول کے لیے سفر کرنے والا جنت کی راہوں پر گامزن ہو گا۔ آسان الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن وسنت کے علم کا حامل خشیت الٰہی سے مالا مال ہو گیا تو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق وہ عالم کہلائے گا اور اگر سائنسی علوم کا حامل خشیت الٰہی کی دولت پا گیا۔ تو اسلامی تصور علم کے مطابق وہ عالم کہلائے گا۔ کیونکہ علم لفظوں کی مالا رولنے یا بہت زیادہ معلومات جمع کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ صرف وہی علم، علم کہلانے کا مستحق ہے جو انسان میں خشیت الٰہی پیدا کر دے۔ وہ قرآن وسنت کا علم ہو یا دنیا کا کوئی بھی علم۔

اگر سائنسی علم کا حامل خشیت الٰہی پا لے تو عالم کہلائے گا اور اگر بالفرض قرآن وسنت کے علوم کا حامل معرفت الٰہی اور خشیت الٰہی سے محروم رہے تو وہ عالم نہیں جاہل کہلائے گا۔

خشیت الٰہی کے حصول کا بڑا ذریعہ قرآن وسنت ہیں لیکن یہ چارسو پھیلی ہوئی کائنات بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کے ترانے گا رہی ہے ان میں تدبر بھی معرفت الٰہی کی دولت عطا

Marfat.com

کرتا ہے۔

گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر ہر رہگزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

(اقبال)

کائنات میں تفکر و تدبر بھی خشیت الٰہی کی دولت دیتا ہے اور کائنات کا علم بھی باعث شرف علم ہے۔اس تناظر میں چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

سب سے پہلے اسی آیہ کریمہ کا پس منظر ملاحظہ ہو جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے فقط علم والے ڈرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ (1)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا تو ہم نے اس سے ایسی فصلیں اور پھل تیار کیے کہ ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ ٹکڑے ہیں ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو گہرے سیاہ ہوتے ہیں۔ اور انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ غالب بخشنے والا ہے''۔

ان آیات طیبات میں بارش کا نزول، فصلیں، پھل پیدا کرنے، ان کے رنگ مختلف ہونے اور پہاڑوں اور جانوروں کے رنگ مختلف ہونے کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد فرمایا

1۔فاطر 35:27-28

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ سے صرف علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ یہاں جس علم کو خشیت الٰہی پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے وہ فصلوں، جانوروں، چوپایوں، پہاڑوں اور انسانوں کی تخلیق اور ان کے رنگوں کا اختلاف ہے یعنی کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت کی یہ نشانیاں بھی انسان میں خشیت الٰہی پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے جیسے قرآن وسنت کا علم خشیت الٰہی پیدا کرنے کے سبب اسلام میں محمود اور مطلوب ہے ایسے ہی کائنات کا علم بھی اسلام میں محمود اور مطلوب ہے کیونکہ یہ بھی خالق کی عظمت کا نقش دلوں پر ثبت کرتا ہے۔

کائنات میں تفکر وتدبر انسان میں کس طرح خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔ ممتاز مفتی لکھتے ہیں:

''1909ء کا ذکر ہے۔ اتوار کا دن تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی علامہ مشرقی کسی کام کے لیے باہر نکلے تو دیکھا کہ مشہور ماہر فلکیات سر جیمس جینز چرچ کی طرف جا رہے ہیں۔ علامہ مشرقی یہ دیکھ کر حیران ہوئے کیونکہ عام طور پر بڑے سائنس دان مذہبی رسومات کے قائل نہیں ہوتے۔

علامہ مشرقی نے بڑھ کر سر جیمس جینز کو مؤدبانہ سلام کیا۔ سر جیمس جینز نے ان کے سلام کا نوٹس نہ لیا اور چلتے رہے مشرقی نے ان کا پیچھا کیا اور دوبارہ سلام کیا۔ سر جیمس جینز رک گئے۔ حیرت سے پوچھا، بولو کیا چاہتے ہو۔

اہل مغرب بے مقصد ادب واحترام بھرے سلام سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سلام کرنے والے کا کوئی مقصد ہوتا ہے، اس لیے سر جیمس نے کہا ''بولو کیا چاہتے ہو'' مشرقی نے کہا دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سر جیمس بولے ''ہاں ہاں کہیے'' مشرقی نے کہا ''پہلی بات یہ ہے کہ بوندا باندی ہو رہی ہے لیکن آپ نے چھاتا بغل میں دبا رکھا ہے، اسے کھولا نہیں۔ سر جیمس اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا کھول لیا۔ مشرقی نے کہا ''دوسری بات یہ ہے کہ آپ چرچ کی طرف عبادت کے لیے جا رہے ہیں''۔ مشرقی کے اس سوال پر جیمس لمحہ بھر کے لیے خاموش رہے۔ پھر بولے ''آپ آج شام کو چائے میرے ساتھ

Marfat.com

پئیں۔ بیٹھ کر چائے پر بات کریں گے''۔

مشرقی شام کو سر جیمس کے گھر پہنچ گئے۔ سر جیمس انتظار کر رہے تھے۔ تپائی پر چائے لگی ہوئی تھی۔ سر جیمس نے اجرام فلکی کے حیرت انگیز نظام کی بات شروع کی۔ ان کے لامتناہی فیصلے، پہنائیاں، پیچیدہ مدار کی تفصیلات بیان کرنے لگے۔ ان کی باتیں سن کر مشرقی کا دل۔ اللہ کی کبریائی اور جبروت پر دہلنے لگا۔ خود سر جیمس کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے بال کھڑے تھے۔ آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ہاتھ کانپ رہے تھے آواز لرز رہی تھی۔ بولے ''عنایت اللہ خان جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو میرا رواں رواں اللہ کے جلال سے لرزنے لگتا ہے۔ جب گرجے میں جا کر کہتا ہوں اللہ تو عظیم ہے تو میرے جسم کا رواں رواں اس کی شہادت دیتا ہے۔ مجھے عبادت میں دوسروں کی نسبت ہزار گنا زیادہ کیف حاصل ہوتا ہے''۔

علامہ مشرقی نے کہا عالی جاہ! اس بات پر مجھے قرآن حکیم کی ایک آیت یاد آ گئی اجازت ہو تو اس کا مطلب بیان کروں؟ ضرور، ضرور۔ سر جیمس بولے۔ مشرقی نے عربی میں آیت پڑھی۔ کہنے لگے اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں''۔

''کیا واقعی'' سر جیمس حیرت سے چلائے۔ ''یہ وہ حقیقت ہے جسے میں نے سالہا سال کے مطالعے اور مشاہدے کے بعد جانا ہے۔ (حضرت) محمد ﷺ کو اس حقیقت کا علم کیسے ہوا؟ اگر یہ آیت قرآن میں موجود ہے تو بے شک قرآن الہامی کتاب ہے''۔ (1)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ سائنس اور کائنات کا علم بھی خشیت الٰہی پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے چونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق علم کا مقصد خشیت الٰہی کا حصول ہے اس لیے یہ علوم بھی اسلام میں محمود اور عین اسلامی علوم ہیں۔ اگر کوئی بندہ علم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت غیظ و غضب کا مستحق ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس تناظر میں حضور اکرم ﷺ کے چند فرامین ملاحظہ ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

1۔ تلاش، ص 106-107، ممتاز مفتی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَ عِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللهِ عَلَی ابْنِ آدَمَ (1)

"علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جو دل میں اتر جاتا ہے وہ نفع دینے والا علم ہے اور ایک علم وہ ہے۔ جو صرف زبان پر رہتا ہے وہ قیامت کے دن انسان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دلیل بن جائے گا"۔

یعنی جو علم دل میں اتر جائے اور انسان کے من کی دنیا کو اللہ کی حسین یادوں سے آباد کر دے وہ علم نافع ہے اور وہ علم جو صرف زبان تک رہے اور لفظوں کے ہیر پھیر سے آگے نہ جائے وہ قیامت کے دن انسان کے لیے اللہ کے عذاب کا ذریعہ بنے گا۔

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِیُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَ یُصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْهِ اَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ (2)

"جس بندے نے علم اس لیے حاصل کیا کہ وہ علماء پر اپنی برتری ثابت کرے۔ جاہلوں پر اپنا رعب جمائے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوزخ میں داخل فرمائے گا"۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق علم حاصل کرنے کا مقصد صرف انذار یعنی لوگوں کو اللہ کی عظمت اس کے اوامر و نواہی اور اس کی مرضیات سے آگاہ کرنا اور خشیت الٰہی کا حصول ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کَفٰی بِالْمَرْءِ فِقْهًا اِذَا عَبَدَ اللهَ وَ کَفٰی بِالْمَرْءِ جَهْلًا اِذَا اَعْجَبَ بِرَاْیِهٖ (3)

"کسی آدمی کے فقیہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی

1۔ کنز العمال، ج 10، ص 133، علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندی، موسسۃ الرسالۃ

2۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 32، باب ما جاء فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، دار احیاء التراث العربی، بیروت

3۔ المعجم الاوسط، ج 8، ص 301، ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، دار الحرمین، القاہرہ (1415ھ)

عبادت کرنے لگے اور کسی آدمی کے جاہل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جب وہ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنے لگے"۔

ان اعلیٰ مقاصد سے انحراف کر کے کسی اور مقصد کے لیے علم حاصل کرنا دراصل اسلامی مقاصد علم سے محرومی اور نعمت علم کی بے قدری ہے جس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے۔

محرکات علم

اسلام میں علم وحکمت کی اہمیت وافادیت واضح ہو جانے اور اسباب علم پر گفتگو کرنے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ کون سی چیزیں علم کے محرکات بنتی ہیں اور وسعت علمی کا سبب قرار پاتی ہیں۔ اسی تناظر میں ہمیں اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ علم کسی خاص مکتبہ فکر کی میراث نہیں ہے اور اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لو۔ علم کو کسی مخصوص مسلک یا مکتبہ فکر میں محدود سمجھنا اور دیگر سب لوگوں کی کتابوں کو صرف ان پر طعن وتشنیع کی غرض سے پڑھنا۔ انسان پر وسعت علمی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ عین ممکن ہے ایک انسان سے آپ کو بہت گہرا اختلاف ہو اور اس سے بھی علم وحکمت کے بہت سے موتی آپ کے ہاتھ لگ جائیں۔ مثبت سوچ اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے ضابطے انسان کو علمی وسعتیں عطا کرتے ہیں۔

انسان کو طلب علم میں مخصوص دائروں سے اوپر اٹھ کر سوچنا چاہیے مثلاً ایک دائرہ دیوبندی اور بریلوی کا ہے۔ لیکن جب غیر مقلدین کی تردید کرنی ہو اور ائمہ فقہ کے تقدس کا معاملہ ہو تو دیوبندی اور بریلوی دونوں ان کی تردید میں یکساں ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب شیعہ حضرات کی تردید مقصود ہو تو دیوبندی، بریلوی اور غیر مقلدین یکساں نظر آتے ہیں۔ اور جب قادیانیت کی تردید مقصود ہو تو دیوبندی، بریلوی، غیر مقلدین اور شیعہ حضرات سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر کام کرتے ہیں جیسے تحریک ختم نبوت میں ہوا۔ جب یہودیت اور نصرانیت کی تردید مقصود ہو تو تمام اہل اسلام یکجا ہو جاتے ہیں اگر الحاد کا رد مقصود ہو تو تمام

Marfat.com

آسمانی مذاہب کو ماننے والے ان کے خلاف یکجا ہو جاتے ہیں جو مذہب کو ایک ڈھونگ کہتے ہیں اور کسی آسمانی مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ دائرے اس سے بھی زیادہ پھیل سکتے ہیں۔

وسعت علمی کسی دائرہ میں رک جانے سے نہیں آتی لیکن مثبت سوچ اور طلب علم کی نیت سے کسی مخصوص دائرہ سے اوپر اٹھ کر مطالعہ کرنے اور تفکر و تدبر کرنے سے آتی ہے جو بھی حکیم دکان کھول کر بیٹھا ہوا اس کے پاس کوئی نہ کوئی نسخہ ضرور ہوتا ہے۔ جس مکتبہ فکر سے انسان کو شدید اختلاف ہے اس میں بھی علم کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جنہیں اخذ کیے بغیر وسعت علمی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور انسان کسی مخصوص خول میں جکڑ کر رہ جاتا ہے۔

محرکات علم میں ایک اہم چیز شک کرنا یا ''کیوں'' ہے اگر انسان کا علم ''کیوں'' سے خالی ہو تو وہ موروثی علم ہوتا ہے اور ''کیوں'' اس کے علم کو تخلیقی چیز بنا دیتا ہے۔ کہ یہ کام کیوں ہے اور ایسا کیوں ہے۔ اور یہ ''کیوں'' بھی ایک حد رکھتا ہے شریعت کے احکامات کی پیروی ''کیوں'' کا جواب مل جانے کے سبب نہیں کی جاتی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر کی جاتی ہے۔ انسانی عقل ہر حکم کی علت کو سمجھنے سے قاصر ہے جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۠ (1)

''ہو سکتا ہے کہ ایک بات تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لیے سراسر بھلائی ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں اچھی لگے لیکن وہ تمہارے حق میں بہت بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ بعض جگہ ''کیوں'' بالکل بے بس ہو جاتی ہے مثلاً مغرب کی نماز کے تین فرض کیوں ہیں اور عصر کے چار کیوں ہیں؟ ایسے مواقع پر کیوں کا جواب سوائے تکلفات اور تصنعات کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل کی اصل لذتیں حکم سمجھ کر کرنے میں ہی پوشیدہ ہیں ورنہ ایسے ہی ہے جیسے ایک بچے کو

1۔ البقرہ 216:2

Marfat.com

کھلونا مل جائے اور وہ کھیلتا رہے۔

ان سب حقائق کے باوجود اسلام نے کہیں بھی ''کیوں'' کی مذمت نہیں کی اس کی تحسین کی ہے اور احکام کی علتوں کو بیان کر کے اس فکر کو پروان چڑھایا ہے جب صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مذمت نہیں فرمائی کہ تم حکم کو مانو تمہیں ''کیوں'' سے کیا غرض۔ بلکہ آپ نے اس ''کیوں'' کا جواب دیا کہ یہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم کی سنت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حکم ماننے کو ''کیوں'' سے مشروط کر دینا تو بلاشبہ غیر اسلامی سوچ ہے لیکن حکم مانتے ہوئے ''کیوں'' کے جواب کا متلاشی رہنا وسعت علمی کا ذریعہ ہے۔

شک یا کیوں کا یہ مرحلہ بہت نازک اور حساس ہوتا ہے ذرا سا احساس برتری اور فقدان تقویٰ انسان کو گمراہی کی وادیوں میں دھکیل سکتا ہے لیکن اخلاص، عاجزی اور طلب حق کے سچے جذبوں کے ساتھ شک اور کیوں کے خوفناک جنگل عبور کیے بغیر علمی وسعتیں نصیب نہیں ہوتی۔ کسی مخصوص دائرہ میں مقید ہو کر اپنے آپ کو ہمہ جہت سمجھ لینا سوائے خوش فہمی اور فریب نفس کے کچھ نہیں ہے۔ جو علم شک کی خوفناک وادیوں سے ہو کر گزرے تو وہی تخلیقی علم کہلاتا ہے اور یہ وادیاں عبور کیے بغیر علمی وسعتیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔

مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

ہمائے علم تا افتد بدامت   یقین کم کن گرفتار شکے باش
عمل خواہی یقیں را پختہ تر کن   یکے جوے و یکے بین و یکے باش (1)

''اگر تو چاہتا ہے کہ علم کا ہما تیرے جال میں آ پھنسے، تو یقین کم کر، شک میں گرفتار رہ۔

اور اگر تو عمل چاہے؟ تو اپنے یقین کو اور پختہ کر۔ ایک ڈھونڈ، ایک دیکھ اور

1۔ پیام مشرق، ص 41، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

ایک ہوجا"۔

عمل کی بنیاد یقین کی پختگی اور علم کی بنیاد۔شک اور کیوں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بعد علم حاصل کرنے کا سبب عظمت الٰہی سے آگاہی اور خشیت الٰہی کا حصول ہے۔اور محرکات علم یا وسعت علمی کے اسباب میں علم کو کسی دائرہ میں مقید نہ سمجھنا، مثبت سوچ اور طلب صادق کے ساتھ ہر جگہ سے علم کا متلاشی بننا۔اور اپنی سوچ اور "کیوں" کا لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم نافع نصیب فرمائے۔آمین

Marfat.com

حیلے اور بہانے

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

(القیامۃ 75:14-15)

"بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔ خواہ وہ سارے ہی بہانے کیوں نہ لے آئے"۔

Marfat.com

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم
عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم

(اقبال)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسان پر ہدایت اور فلاح کی راہیں بالکل واضح فرما دی ہیں اور اس پر حق اس طرح نمایاں کر دیا ہے کہ اس کی معرفت میں کوئی ابہام نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا فرمائی۔ جو حق و باطل میں فرق کرنے کی ایک واضح کسوٹی ہے۔ پھر انسان کو ضمیر عطا فرمایا۔ جو انسان کو ہر برے کام پہ ٹوکتا ہے اور ہر برائی کے راستے میں ایک بھاری پتھر بن جاتا ہے اور اتمام حجت کرتے ہوئے اپنے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا تاکہ جو حق انسان کے اندر چھپا ہوا ہے اسے عملی طور پر اور آخری حد تک واضح کر دیا جائے۔ جیسا کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْمِلَّةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا (1)

''میں تمہیں ایک ایسی روشن شریعت پر چھوڑ کے جا رہا ہوں جن کی راتیں بھی ایسے ہی روشن ہیں جیسے اس کے دن روشن ہیں''۔

حق کے اتنے واضح اور نمایاں ہونے اور فطرت انسانی کی پکار ہونے کے باوجود جب انسان نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر، مفادات کی اندھی محبت کا اسیر ہو کر یا رسم و رواج کے بھاری بوجھ تلے دب کر حق سے انحراف کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ غیر فطری امر اس کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ گناہ اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنے میں اس کا ضمیر سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ جب تک انسان اپنے ضمیر کو مطمئن نہ کرے اور حیلے بہانے کی لوریاں دے کر اسے سلا نہ دے وہ گناہ کا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے انسان اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے بہت سے حیلے بہانے تراشتا ہے لفظوں کے خوبصورت تانے بانے بنتا ہے اور وہ ناجائز کو جائز کرنے کے لیے بہت دور کی کوڑیاں لاتا ہے۔ وہ اپنی غلطی کو غلطی نہیں مانتا بلکہ باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے خود ساختہ دلائل کے انبار لگا دیتا ہے قرآن مجید میں انسان کے اسی رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

1۔ کنز العمال، ج 22، ص 370، علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی، موسسۃ الرسالۃ، رقم الحدیث: 31778

Marfat.com

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ (1)

''بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے خواہ وہ سارے ہی بہانے کیوں نہ لے آئے''۔

حیلے بہانوں سے ناجائز کو جائز کرنے کی کوشش، خوبصورت الفاظ سے باطل کو حق کرنے کی جدوجہد اور باطل تاویلات کے گورکھ دھندوں سے حرام کو حلال کرنے کی مساعی یہ انسان کی پرانی روش ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ ضمیر کی آواز کو دبا نہیں سکتا۔ مشرکین مکہ بھی اپنی ضلالت و گمراہی کو اللہ کی مرضی کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کی اس روش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ (2)

''شرک کرنے والے لوگ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے آباء واجداد اور نہ ہی ہم کسی شی کو حرام ٹھہراتے۔ اس سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ فرمایئے کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے تو اسے ہمارے سامنے نکال لاؤ تم صرف گمانوں کے پیچھے چلتے ہو اور تم صرف ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہو''۔

اس آیہ کریمہ میں پہلے تو مشرکین کی اس روش کو بیان کیا گیا کہ وہ اپنی گمراہی کا سبب اپنی نفسانی خواہشات اور مفادات کو نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کا نتیجہ خیال کرتے تھے۔ وہ اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ہدایت

1۔ القیامۃ 75:14-15 2۔ الانعام 6:148

Marfat.com

سے خوش ہوتا ہے اس کی گمراہی سے نہیں۔ ہاں! جب بندہ خود گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جبراً اس پر ہدایت کو مسلط نہیں کرتا بلکہ اسے گمراہی کے اندھے غاروں میں دھکیل دیتا ہے۔ اور پھر یہاں واضح کیا گیا کہ گمراہ انسانوں کی یہ روش ہمیشہ رہی ہے لیکن یہ حیلے بہانے انہیں عذاب الٰہی کی آہنی گرفت سے نہیں بچا سکتے اور پھر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ یہ سب باتیں علم کی بنیاد پر نہیں ظن وتخمین کی بنیاد پر کی جاتی ہیں۔

باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشنا انسان کا دیرینہ وطیرہ ہے۔ وہ ہمیشہ اس روش سے اپنی ضمیر کی آواز دبانے کی کوشش کرتا رہا ہے اور گمراہ انسان اسی ڈگر پر چل کر اپنی گمراہی کو ہدایت ثابت کرنے میں مصروف رہا ہے۔ یہ روش آج بھی جاری ہے پرانی شراب نئے ساغروں میں ڈال کر پلانے کی سرتوڑ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حق سے منحرف انسان جن حیلے بہانوں سے گمراہی کو ہدایت اور باطل کو حق ثابت کرنے کی سعی مذموم میں مصروف ہے ان میں سے چند حیلے بہانے اور اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔ تاکہ ہم سب اپنے رویوں پر غور کر سکیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم بھی راہ حق سے منہ موڑ کر حیلے بہانوں کی روش اپنا کر احکامات الٰہی کا مذاق تو نہیں اڑا رہے ہیں؟

چند حیلے بہانے اور ان کی حقیقت کا ایک مختصر تجزیہ ملاحظہ ہو۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھروسہ اور گناہ

انسان کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو گناہ کرنے کا بہانہ بنا لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں سے کہیں بڑھ کر اپنے بندے سے محبت کرتا ہے جب میری ماں مجھے دوزخ میں کبھی نہیں ڈالنا چاہے گی تو آخر اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے سے اس کی ماں سے بھی سو گنا بڑھ کر محبت فرماتا ہے انسان کو آگ میں کیسے ڈالے گا؟ وہ اسی چیز کے بل بوتے پر گناہ اور سرکشی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

جب ہم اس بات کی تہہ میں غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ سوچ سوائے نفس کے ایک حیلے کے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور یہ ایک درست بات سے غلط نتیجہ نکالنا ہے۔

Marfat.com

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے۔ انسان کو جو کچھ ملتا ہے کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے سے ہی ملتا ہے اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان جتنی بھی عبادات اور ریاضات بجا لائے وہ اگر پوری زندگی سجدہ سے سر نہ بھی اٹھائے تب بھی وہ اللہ کی دی ہوئی کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اور جنت انسان کو محض اپنی عبادت و ریاضت سے نہیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کے صدقے میں ملے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُدْخِلُ اَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا یُجِیْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللهِ (1)

"تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ ہی مجھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ"۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ انسان اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائے گا۔ لیکن اسے بے عملی اور گناہ کا راستہ اختیار کرنے کا ذریعہ بنانا قرآن و سنت کی تعلیمات سے محرومی اور لادینیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور یہ ایک حقیقت سے ایسے ہی ایک غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ جیسے مرجئہ نے اس حدیث پاک سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللهُ بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللهَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ (2)

"مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم

1۔ کنز العمال، ج 4، ص 250، علی بن حسام الدین الہندی، موسسۃ الرسالہ، رقم الحدیث 10384

2۔ ریاض الصالحین، ج 2، ص 338، شرف الدین النووی، کتاب الاستغفار

گناہ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایک ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کر کے بخشش طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے گا"۔

یہ حدیث پاک اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بیان کرنے کے لیے اور گنہگاروں کو مایوسی سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید دلانے کے لیے تھی لیکن انہوں نے اسی درست چیز سے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے سے خوش ہوتا ہے اور پوری امت مسلمہ نے ان کے اس باطل نظریئے کا ہمیشہ رد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے کو گناہ اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنے کا ذریعہ بنا لینا ایسے ہی غلط ہے جیسے مذکورہ روایت سے یہ نتیجہ اختیار کر لینا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے گناہ کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کو گناہ اور سرکشی کا ذریعہ بنا لینا متعدد وجوہ سے مکمل طور پر غلط ہے اس پر چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

1۔ اسوۂ حسنہ سے انحراف

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بے عملی کا ذریعہ بنانے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لیے صرف قرآن مجید ہی نازل نہیں فرمایا بلکہ قرآنی مراد کو عملی طور پر واضح فرمانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا۔ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور پھر آپ کی ذات اقدس پر قرآن مجید نازل فرمایا اور قرآن مجید کی تعلیم وتبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ٹھہرایا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے رحمان و رحیم ہونے کا علم بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عملی رویہ سے اس چیز کو بھی واضح فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے رحمٰن اور رحیم ہونے کا مطلب کیا ہے اور ہمیں اس تناظر میں عملی زندگی کس طرح بسر کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سب سے بڑے عارف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے محبوب بھی آپ ہی ہیں۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود آپ

Marfat.com

نے اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت فرمائی کہ بسا اوقات قیام لیل کے سبب آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے ہیں۔ اور مرض وصال میں بھی آپ دو صحابہ کرام کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ اور آپ نے اپنے صحابہ کرام اور اعزا و اقارب کو ہمیشہ عبادت کی شدید تاکید فرمائی۔

اگر اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان کو عبادت ہی نہیں کرنی چاہیے۔ تو آپ نہ خود اتنی عبادت فرماتے اور نہ ہی عبادت کی اتنی تاکید فرماتے۔ ایک موقع پر آپ نے جماعت میں شریک نہ ہونے والے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر مجھے ان کے بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا دیتا۔ (او کما قال)

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس نظریہ کے بطلان پر ناقابل تردید دلیل نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کبھی بھی عمل چھوڑنے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ آپ نے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تذکرہ میں اس کی عبادت اور بندگی کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ جو انسان پر اکرام و انعام کی حد کر دے اور رب ہونے کے باوجود اپنے بندے سے اتنی محبت فرمائے وہی ذات اس قابل ہے کہ اس کے حضور سجدہ ریزیاں کی جائیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت الٰہی کا تذکرہ فرماتے ہوئے اس کی بندگی اور اطاعت کا درس دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَیْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَ الْقَصْدَ وَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا (1)

”تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اور نہ ہی آپ کو؟ آپ نے فرمایا نہ ہی مجھ کو۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ اپنے اعمال کو

1۔ المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلی، ج 2، ص 3055، حافظ علی بن ابی بکر الہیثمی، مکتبہ صید الفوائد

Marfat.com

درست رکھو، ثواب کے طالب رہو، اول دن میں، آخر دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں اللہ کی عبادت کرو۔ میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، مقصد کو پہنچ جاؤ گے"۔

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ انسان کی نجات کے لیے اس کا عمل کافی نہیں۔ بلکہ اس کی نجات تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ہوگی لیکن عمل کی اہمیت کو کم نہیں کیا یہ نہیں فرمایا کہ عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ بخشش تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگی۔ بلکہ رحمت الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے عمل کی تلقین فرمائی۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہانہ بنا کر اس کی عبادت کو ترک کرنا اسوۂ حسنہ سے انحراف ہے اور اللہ تعالیٰ کے رحمان ہونے کا وہ مطلب لینا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں لیا تو یہ آپ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور دبے لفظوں میں یہ دعویٰ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جیسے میں نے سمجھا آج تک کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ ہم اس گمراہ کن نظریے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہمیں کوئی بھی مفہوم اخذ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو خضر راہ بنانا چاہیے ورنہ شریعت ایک مذاق بن جائے گی اور جس کے دل میں جو آئے گا دور کی کوڑیاں ملا کر اسے ہی دین کہتا پھرے گا خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں بھی ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(امام احمد رضا خان)

2۔ صفات باری تعالیٰ کے تناظر میں

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کو گناہ اور سرکشی کا ذریعہ بنانا اس لیے بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختلف ہیں جب وہ رحمت فرماتا ہے تو بے حد وحساب فرماتا ہے اور جب وہ نافرمانوں کو اپنے عذاب کے شکنجے میں کستا ہے تو کوئی انہیں چھڑانے والا نہیں ہوتا اس میں

Marfat.com

کوئی شک نہیں ہے کہ اس کی رحمت اس کے عذاب پہ غالب ہے۔ لیکن اس کے عذاب کی گرفت بھی ہر چیز کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی دونوں صفات کی بار بار یاد دہانی کروائی ہے تاکہ وہ اس کی گرفت سے بھی ڈرتے رہیں اور اس کی رحمت کے آسرے کبھی اس کے کرم سے مایوس نہ ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ (1)

''آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں بہت بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہوں اور بے شک میرا عذاب بڑا دردناک ہے''۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنا رحم فرماتا ہے۔ جب انسان اس کی رحمتوں کی بے قدری کرتا ہے تو پھر اس کا عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ (2)

''اور اگر ہم ان پہ رحم فرمائیں اور ان کی تکلیف دور کر دیں تو وہ اپنی سرکشی پر اڑے اور ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں اور بے شک ہم نے عذاب کے ذریعے ان کی گرفت کی تو اپنے پروردگار کے سامنے نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی اور نہ ہی وہ گڑگڑائے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر بڑے سخت

1۔ الحجر 15:49-50 2۔ المومنون 23:75-77

Marfat.com

عذاب کا دروازہ کھولا تو وہ درماندہ ہو کر وہیں رہ جائیں گے"۔

ان آیات طیبات سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور اس کی محبتوں کی بے قدری کرنے سے انسان عذاب الٰہی میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے کسی معمولی سے عذاب میں گرفتار کر سکتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی غلطی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور تضرع کرے لیکن جب انسان پھر بھی اپنی ناشکری اور سرکشی کی روش نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب کے شکنجے میں اس طرح کس لیتا ہے کہ اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے اور وہ صرف قصہ پارینہ بن کے رہ جاتا ہے۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ہمیشہ ڈرتا رہے اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے فکر ہو جانا تو حقیقت ایمان سے محرومی ہے۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا وجود مسعود کافروں پر عذاب نہ اترنے کا سبب تھا۔ جو رحمۃ للعالمین ہیں اور صفات الٰہی کے سب سے بڑے عارف ہیں۔ آپ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سب سے بڑھ کر جاننے والے اور بیان فرمانے والے ہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب آسمان پہ آندھی یا بادل کے آثار ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غم وفکر کے آثار نمایاں ہوتے اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ خوش ہو جاتے۔ اور پریشانی کی کیفیت ختم ہو جاتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یَّکُوْنَ عَذَابًا سُلِّطَ عَلٰی اُمَّتِیْ (1)

"کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا یہ عذاب ہو جو میری امت پہ مسلط کیا گیا ہو"۔

کسی انسان سے ڈرنا نقص ہے لیکن اللہ سے ڈرنا کمال ہے اور حقیقت ایمان کا اظہار ہے یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی وہ بھی

1۔ صحیح مسلم، ج 1، ص 294، صلوۃ الاستسقاء، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

Marfat.com

عذاب الٰہی کے تصور سے تھر تھر کانپتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قبر کو دیکھ کر اتنا روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ جب سبب پوچھا گیا تو فرمایا قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے خیریت سے گزر گئے تو آگے بھی خیر کی امید ہے اور اگر اسی میں پھنس گئے تو پھنس گئے۔

ایمان کا کوئی ایسا درجہ نہیں ہے جس پہ پہنچ کر انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بےفکر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی شان یوں بیان فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ (1)

''وہ اپنے پروردگار کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں''۔

اور پھر اس تناظر میں ایک ضابطہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ (2)

''بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں''۔ (کنزالایمان)

اس آیہ طیبہ کی تفسیر میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں۔

''چاہے آدمی کتنا ہی نیک، پارسا، کثیر الطاعۃ والعبادۃ ہو مگر اسے عذاب الٰہی سے بےخوف ہونا نہ چاہیے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بےعملی کا ذریعہ بنانا صفات الٰہی کو جاننے سے محرومی اور صرف ایک شیطانی حیلہ ہے۔

3۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ہے

اللہ تعالیٰ کے رحمٰن ورحیم ہونے کو اس کی عبادت نہ کرنے کا حیلہ بنانا اس لیے بھی غلط ہے کہ عبادت کرنے کا مقصد جنت کا مستحق بننا نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا ہے۔ اگر عبادت کا مقصد جنت کا استحقاق ثابت کرنا ہوتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اتنا رحیم وکریم ہے تو وہ مجھے عبادت کے بغیر بھی جنت عطا

1۔ المعارج 70:27 2۔ المعارج 70:28

Marfat.com

فرمادے گا لہٰذا مجھے عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے لیکن جب عبادت کا مقصد جنت کا مستحق بننا ہے ہی نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور تضرع کا اظہار کرنا ہے اور جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم سے ملے گی تو پھر رحمت الٰہی کو عبادت سے دوری کا بہانہ بنانا اپنے آپ ختم ہو جانا چاہیے۔

حقیقت عبادت عاجزی ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

عبد: العبودیۃ اظہار التذلل (1)

''عبادت عاجزی کے اظہار کا نام ہے''۔

یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنا ہے اور عبادت نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرنے کا نام ہے اس حقیقت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک غلام کو اس کا آقا بلائے وہ جس بھی کام میں مصروف ہو سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو فوراً سب کچھ چھوڑ کر اس کے پاس آ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا ہے لیکن اگر اس کا آقا بلائے اور وہ اس کے بلانے کو کوئی اہمیت ہی نہ دے۔ دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہے تو اسی میں لگا رہے اور اگر سو رہا ہے تو سویا ہی رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے سامنے تکبر کیا ہے اور اس کے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک شخص کس قدر عاجزی کا اظہار کرتا ہے؟ اس کا اظہار اس کے احکامات پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی کام میں مصروف ہے اور اس کے کان میں اللہ کے منادی کی آواز پہنچتی ہے کہ ''نماز کی طرف آؤ'' اور وہ سب کام چھوڑ کر رب کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے چل پڑتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا ہے اور اس کے حکم کو ہر مصروفیت سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کام میں ہی مصروف رہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو اہمیت نہ دے کر اس کے سامنے تکبر کا اظہار کیا ہے۔ ایسے ہی جب ایک شخص گہری

1۔ مفردات الفاظ القرآن، امام راغب اصفہانی، مادہ عبد، اسماعیلیاں، چاپ، نشر، قم، ایران

نیند کے مزے لوٹ رہا ہو اور اسے نماز کی طرف بلایا جائے اور وہ نیند چھوڑ کر سوئے مسجد چل پڑے تو یہ اللہ کے حضور عاجزی ہے کہ اس بندے نے عملی طور پر ثابت کیا کہ میرے مالک! مجھے نیند سے بہت پیار ہے لیکن تیرا حکم آ گیا تو تیرا حکم مجھے ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہے۔

اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے یکسوئی اور خضوع و خشوع کے بغیر عبادت اگرچہ حقیقت عبادت سے محروم ہے لیکن عبادت نہ کرنے سے پھر بھی بہتر ہے جیسے ایک ملازم اپنے دفتر جائے لیکن کام محنت اور یکسوئی سے نہ کرے یہ اس سے تو بہر حال بہتر ہے جو دفتر جاتا ہی نہیں۔ کیونکہ دفتر جا کر کام یکسوئی سے نہ کرنے والا سست، کاہل اور غافل ہے لیکن دفتر ہی نہ جانے والا تو متکبر اور سرکش ہے اس کا جرم تو پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

عبادت نہ کرنا تو گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی اہمیت نہ دینا اور اس کے حضور تکبر اور سرکشی کا اظہار کرنا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَلَمْ تُجِبْهُ بِقِيَامِكَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَكَبَّرْتَ عَلَيْهِ
اِذَا ظَلَمْتَ اَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ فَقَدْ تَكَبَّرْتَ عَلَيْهِ (1)

''جب مؤذن نے اذان دی اور تو نماز کے لیے کھڑا نہ ہو تو تحقیق تو نے اللہ کے سامنے تکبر کیا۔ اور جب تو نے مخلوق الٰہی میں سے کسی پر ظلم کیا تو تحقیق تو نے اللہ کے سامنے تکبر کیا''۔

جب عبادت استحقاق جنت کے لیے نہیں کیونکہ انسان کی ہزاروں سالوں کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بدلہ بھی نہیں بن سکتی اور جنت صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی۔ اور عبادت جنت کا مستحق بننے کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا نام ہے تو رحمت الٰہی کو عبادت چھوڑنے کا ذریعہ بتانا گمراہی نہیں ہے تو اسے اور کیا کہا جائے گا؟

1۔ الفتح الربانی، ص 337، شیخ عبدالقادر جیلانی، فرید بک سٹال، لاہور

Marfat.com

4۔ چند عقلی شواہد

یہ نظریہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ماں سے کہیں بڑھ کر اپنے بندے سے محبت فرماتا ہے اس لیے انسان کو عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور جب ماں اپنے بیٹے کو کسی حال میں بھی دوزخ میں نہیں پھینکے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دوزخ میں کیسے پھینک سکتا ہے؟

یہ سوچ دیگر دلائل کے علاوہ جن میں سے چند ایک پہلے ذکر کیے گئے جن عقلی شواہد سے باطل ہے ان کے تذکرہ سے قبل ہمیں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مجرم کو سزا دیتے وقت جس کے ہاتھ کانپ جائیں وہ رحم دل نہیں بزدل ہوتا ہے اور ظالم پر رحم مظلوم پر ظلم ہوتا ہے اگر ایک انسان کو قتل کر کے کسی نے ماں سے اس کا نور نظر چھین لیا ہے اور بچوں کو ان کے باپ کے سایہ سے محروم کر دیا ہے تو قاتل کی ماں تو پھر بھی شاید قاتل کی ہی طرف دار ہو لیکن اس کا اپنے بیٹے پر یہ رحم دراصل مقتول کے پورے خاندان پر ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔

ایک شخص پوری زندگی خواہشات نفسانی، مفادات اور رسم و رواج کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مگن رہا وہ گہری نیند چھوڑ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریزیوں میں مصروف رہا اور دوسرا شخص نفسانی خواہشات کی تکمیل میں حلال و حرام کی تفریق کیے بغیر سرتاپا ڈوبا رہا وہ اپنے قد کو اونچا کرنے کے لیے انسانیت کا خون بہاتا رہا۔ وہ رسم و رواج پر اسلامی تہذیب و تمدن کو قربان کرتا رہا۔ تو ماں تو اس کی بھی اسے پہلے شخص سے بڑھ کر مقام و مرتبہ دینا چاہے گی لیکن یہ پہلے انسان پر ظلم ہوگا یہ نقص ماں کی محبت میں تو پایا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت ہر قسم کی کمزوری اور ظلم سے پاک ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کی وجہ سے دوزخ میں بھیجے گا ہی نہیں تو آخر دوزخ بنانے کا مقصد کیا ہے؟ قرآن و سنت میں اہل جہنم کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اس کا کیا مقصد ہے؟ حدیث پاک میں تو ان اہل ایمان کا بھی ذکر ہے جنہیں حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا۔ تو پھر یہ دوزخ میں کیوں چلے گئے تھے؟

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کو اس کی بندگی اور عبادت ترک کرنے کا ذریعہ بنانا صرف ایک نفس کا حیلہ ہے اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے حرام کو حلال کرنے کی ایک سعی نا تمام ہے۔ اور ضمیر کی آواز کو دبانے کی ایک ایسی کوشش ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور ایک حق بات سے باطل نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت حق ہے اسی کے صدقے سب کی بخشش ہو گی لیکن اس کی عبادت ترک کرنے کا ذریعہ بنا لینا سوائے حیلے اور بہانے کے کچھ نہیں۔

انسان دنیا کے معاملات میں بہت سنجیدہ ہے وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ یہاں کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے ایک چھوٹی سی دکان بھی کامیابی کے لیے بہت بڑی قربانی مانگتی ہے لیکن وہ اللہ کی رضا کی دولت لفظوں کے ہیر پھیر سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے تو کیا اسے اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر یقین نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے کسی بھی انسان کو یہ نہیں فرمایا کہ تو عبادت نہ کر میں تجھے بخشش دوں گا۔ لیکن اس نے رزق کا وعدہ ہر انسان سے فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (1)

''اور زمین پہ چلنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو''۔

سوال یہ ہے کہ جو انسان اللہ کے رحمٰن و رحیم ہونے کی وجہ سے عبادت کو ترک کر دیتا ہے وہ اللہ کے رازق ہونے کی وجہ سے رزق کمانے کے لیے اتنی مشقت کیوں اٹھاتا ہے۔ عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ عزت کے حصول اور ذلت سے بچنے کے لیے اتنی کوشش کیوں کرتا ہے؟ اس سے بخوبی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے کو ترک عبادت کا ذریعہ بنانا سوائے ایک نفسانی حیلہ کے کچھ نہیں۔

1۔ ہود 6:11

Marfat.com

2۔علماء کا اختلاف اور بے عملی

انسان جب کوئی عمل خیر کرنا نہیں چاہتا تو پھر وہ اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشا رہتا ہے۔انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ کوئی مولوی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔تو آخر ہم کدھر جائیں اور کس پر عمل کریں؟

اس ضمن میں پہلی قابل غور بات تو یہ ہے کہ جن باتوں میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیا کیا ان پر عمل کیا جاتا ہے؟ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اللہ سے ڈرتے رہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو، سچ بولو، حرام کاموں سے بچو اور کسی کا حق نہ مارو وغیرہم۔تو کیا ان چیزوں پر عمل کیا جاتا ہے؟' جن چیزوں پر کوئی اختلاف نہیں ہے اگر ان پر بھی عمل نہیں کیا جاتا تو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اصل مسئلہ علماء کا اختلاف نہیں ہے اصل مسئلہ عمل نہ کرنے کا بہانہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اختلاف کس گروہ میں نہیں پایا جاتا؟ اختلاف تو ایک طبعی معاملہ ہے کیا ڈاکٹرز اور حکماء میں مرض کی تشخیص اور طریقہ علاج میں اختلاف نہیں ہوتا؟ تو کیا لوگ ان سے رجوع نہیں کرتے؟ کیا ان سے علاج کروانا چھوڑ دیتے ہیں؟ جب ان سے علاج پھر بھی کروایا جاتا ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ چونکہ ڈاکٹروں اور حکیموں میں اختلاف ہے اس لیے ہم علاج کروانے ان کے پاس نہیں جاتے تو آخر علماء کے اختلاف کو بہانے بنا کر بے عملی کا راستہ اختیار کر لینا بے عملی کے لیے ایک بہانہ نہیں ہے تو اسے اور کیا کہا جائے گا؟

اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب دین تو قابل عمل ہے اور اہل دین کے رویہ اور ان کے باہمی جھگڑوں سے تنگ آ کر جو لوگ دینی احکامات سے گریز کرنے کا بہانہ بناتے ہیں تو وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ خود دین کا علم حاصل کریں تا کہ قوم کو ایسے علماء ملیں جن میں کوئی اختلاف نہ ہو۔اگر خود علم حاصل نہیں کرتا تو پھر ان لوگوں سے اس قدر گریز کیوں جو روکھی سوکھی کھا کے دین کی خدمت میں مگن ہیں اور علماء میں اختلاف تعبیر و تشریح کا ہوتا ہے نفس مسئلہ کا نہیں۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ ہم نماز کیا پڑھیں جب کہ فلاں نمازی نے یہ کرپشن کی ہے یا

Marfat.com

فلاں گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔تو اس حیلے سے ایک بات تو ان لوگوں پر واضح ہو جانی چاہیے جن کی کسی غلطی کی وجہ سے لوگ دین سے دور ہونے کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں اور انہیں یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ان کی غلطی عملی طور پر کسی فرد کی غلطی نہیں سمجھی جا رہی بلکہ دین کی رُسوائی کا ذریعہ بن رہی ہے۔اس لیے ایسے لوگوں کو غلطی اور گناہ سے اور بھی بچنا چاہیے جن کا تشخص دین ہو اور جن کی غلطی سے دین سے دوری کے مواقع فراہم کرنے کا بہانہ ملے۔

جو لوگ ان کی غلطی کو دین سے دوری کا ذریعہ بتاتے ہیں ان کی یہ روش بھی بالکل غلط ہے کیونکہ اسوۂ حسنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے کسی اور کی نہیں۔انہوں نے قرآن و سنت کے احکامات پر اس لیے عمل نہیں کرنا کہ فلاں شخص کا کردار بہت اچھا ہے بلکہ اس لیے عمل کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں۔اور پھر ہزاروں نمازیوں کے اچھے اعمال دیکھ کر اچھے اعمال کا خوگر نہ بننا اور کسی ایک کے برے عمل سے نیکی کا راستہ چھوڑ دینا۔اگر نفس حیلہ جو کا بہانہ نہیں تو اسے کیا کہا جائے گا؟ نفسانی حیلوں کے شکنجوں سے بچ کر احکامات الٰہی کی پیروی میں ہی انسان کی سعادت ہے ورنہ حیلے بہانے انسان کو تباہ و برباد بھی کر دیتے اور اسے اپنی تباہی و بربادی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔

3۔شریعت و حقیقت

دین کے مقابلہ میں الحاد اور لادینیت اتنی نقصان دہ نہیں ہوتی جتنا نقصان دہ دین کے مقابلہ میں خود ساختہ دین ہوتا ہے کیونکہ دین کے مقابلہ میں لادینیت ایک واضح چیز ہوتی ہے جب کہ دین کے مقابلہ میں خود ساختہ دین، دین کے روپ میں دین کو جڑ سے اکھیڑنے کی کوشش ہوتی ہے۔

جو لوگ دینی احکامات پہ اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حقیقت کو پا لیا ہے لہٰذا ہمیں شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ایک ظاہری نماز ہوتی ہے اور ایک حقیقی نماز جو نمازیں عموماً لوگ پڑھتے ہیں ظاہری نماز ہیں اور ہم دل کی اور

Marfat.com

حقیقت کی نماز پڑھتے ہیں جو ظاہری رکوع وسجود کی پابند نہیں۔

ان کی یہ دلیل کسی بنیاد پر قائم نہیں بلکہ صرف ان کی عقل عیار کا ایک بھیس اور نفس حیلہ جو ایک بہانہ ہے۔ اطاعت الٰہی کی منزلوں میں کوئی ایسا مقام نہیں آتا یہاں ایک بندہ ہوش و حواس کے ہوتے ہوئے عبادات سے بے نیاز ہو جائے۔ اہل تصوف نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ ہر وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہے وہ گمراہی ہے۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كُلُّ حَقِيقَةٍ لَا تَشْهَدُ لَهَا الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدِقَةٌ (1)

"ہر وہ حقیقت جس کی شریعت گواہی نہ دے زندیقی ہے"۔

آپ نے تو ایسی سوچ کو کفر قرار دیا ہے۔ ایک مقام پر اولیائیہ نامی ایک فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ: إِذَا وَصَلَ الْعَبْدُ إِلَى مَرْتَبَةِ الْأَوْلِيَاءِ سَقَطَتْ عَنْهُ تَكَالِيفُ الشَّرْعِ وَيَقُولُونَ: الْوَلِيُّ أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ لِأَنَّ عِلْمَ النَّبِيِّ بِوَاسِطَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِلْمَ الْوَلِيِّ بِغَيْرِ وَاسِطَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهٰذَا التَّأْوِيلُ خَطَأٌ هُمْ هَلَكُوا بِذٰلِكَ الْاِعْتِقَادِ وَهٰذَا كُفْرٌ

"وہ کہتے ہیں۔ جب بندہ اولیاء کے مرتبہ کو پہنچتا ہے تو وہ احکام شریعت کا پابند نہیں رہتا اور وہ کہتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ نبی کا علم جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ہوتا ہے اور ولی کا علم جبریل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر ہوتا ہے۔ یہ تاویل غلط ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے اور یہ کفر ہے"۔(2)

اہل تصوف کے نزدیک شریعت کو چھوڑ کر طریقت اور حقیقت کو پا لینے کے دعوے

1۔ الفتح الربانی، ص 732، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، فرید بک سٹال، لاہور

2۔ سر الاسرار، ص 57، شیخ عبدالقادر جیلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

سوائے گمراہی اور لادینیت کے اور کچھ نہیں کسی نے شیخ ابو علی احمد سے ایک شخص کے متعلق پوچھا جو مزامیر سنتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ میرے لیے جائز ہے کیونکہ میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ مجھ پر حالات کے اختلاف کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ہاں پہنچ تو چکا ہے مگر جہنم میں۔(1)

شریعت کو ترک کر کے حقیقت کو پالینے کی سوچ سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اس تناظر میں فرماتے ہیں:

''برادر عزیز! بغیر شریعت کے طریقت کا قصد کرنا ویسے ہی ہے کہ ایک شخص کو ٹھے پر جانا چاہے سیڑھی کو توڑ ڈالے اور دیوار پکڑ کر اوپر چڑھے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دو چار ہاتھ بمشکل اوپر جائے گا پھر پھسل پھسل کر گرے گا۔ یا یوں سمجھو کہ ایک شخص کو یہ خبط سمائے کہ ہم پتھر ایسا اچھال سکتے ہیں کہ نظر سے غائب ہو جائے۔ ہزار زور خرچ کرے گا کوشش کا خاتمہ کر دے گا۔ ناکامیاب رہے گا۔ بمشکل اچھالے گا درہم سے آتا رہے گا بغیر شریعت جسم خاکی پتھر سے بدتر ہے۔ وہ شخص فضائے طریقت میں اڑ نہیں سکتا۔ یہ کوشش لاحاصل ہوگی...... ہر قصد کے لیے شرط ہوا کرتی ہے ہر صحبت کے لیے اہلیت اور نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ قصد و صحبت کے لیے شرط و نسبت جملہ احکام شریعت ہیں۔ جب مرید راہ شریعت میں واضح ہوتا ہے۔ حقوق شرعی کو بقدر امکان ادا کرتا ہے۔ اس وقت توفیق خیر اس کی رفیق ہوتی ہے عوام کے دائرہ سے نکلتا ہے۔ سلوک طریقت اختیار کر کے خواص کے ہمراہ ہو جاتا ہے''۔(2)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت اصل ہے اور طریقت و حقیقت اس کی خادم ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم و عمل و اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو محقق نہ ہوں۔ شریعت محقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگی تو گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل

1۔ روح تصوف، ص 58، سید خورشید احمد گیلانی، فرید بک سٹال، لاہور

2۔ مکتوبات صدی، ص 198، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

ہو گئی جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے ورضوان من اللہ اکبر۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے۔

پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا اور کسی چیز کی طرف حاجت پڑے۔ طریقت اور حقیقت جن سے صوفیا ممتاز ہیں۔ تیسری جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا"۔(1)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ کہنا کہ ہم حقیقت تک پہنچ گئے ہیں لہٰذا ہمیں شریعت کی حاجت نہیں۔ اور کسی بھی طریقہ سے احکامات شریعت کا ترک کرنا اور یہ سمجھنا کہ ہم نے حقیقت کو پالیا ہے سوائے نفس کے ایک تباہ کن حیلہ کے کچھ بھی نہیں۔

4۔شرف نسبت کا بہانہ

کسی مقرب الٰہی سے خونی، نسبی یا کسی بھی قسم کی نسبت بلاشبہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور محبت کی دنیا میں نسبت کے شرف کو دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محبوب سے منسوب ہر چیز ہی محبتوں کا پیکر ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان بچوں کی دیوار اسی لیے درست کی تھی کہ ان کا باپ ایک صالح آدمی تھا۔ ان تمام حقیقتوں کے باوجود شرف نسبت کو بے عملی کا ذریعہ بنالینا سوائے نفس کے ایک حیلہ کے اور گمراہی کے کچھ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ (2)

"اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ انہوں نے

1۔مکتوبات امام ربانی، ج1،ص196،مجدد الف ثانی شیخ محمد سرہندی، مکتوب 36، اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور

2۔البقرہ 124:2

انہیں پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں آپ کو سب لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد سے۔ فرمایا ظالموں تک تو میرا عہد پہنچتا ہی نہیں''۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہونے کے شرف کے باوجود جو ظالم ہوگا۔ وہ امامت و پیشوائی کا اہل نہیں ہوگا۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نسبت کے شرف سے نوازا ہے انہیں تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اپنے بزرگوں کی عزت و حرمت کی لاج رکھتے ہوئے اور بڑھ چڑھ کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں تاکہ ان کے رویہ سے محسوس ہو کہ یہ مقربین الٰہی کا خون ہے نہ یہ کہ وہ اسی شرف نسبت کو بے عملی اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ بنالیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کس کا نسب باعث شرف ہوگا تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بیٹا کہہ کے یاد فرماتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لخت جگر اور سیدہ خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراء کے نور نظر۔ ان سب ہی سعادتوں کے باوجود کیا انہوں نے عبادت ترک کر دی تھی؟ کیا وہ صرف اسی شرف نسبت کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھتے تھے؟

نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ کی عبادتوں اور ریاضتوں کے احوال تو بیان سے باہر ہیں۔

علامہ جزری حضرت امام عالی مقام کے متعلق لکھتے ہیں:

كَانَ الْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاضِلًا كَثِيْرًا الصَّوْمُ وَالصَّلٰوةُ وَالْحَجُّ وَالصَّدَقَةُ وَاَفْعَالُ الْخَيْرِ جَمِيْعًا (1)

''امام حسین ایک فاضل شخص تھے بکثرت روزے رکھنے والے، نماز پڑھنے والے، حج کرنے والے، صدقہ دینے والے اور نیکی کے تمام کاموں کے خوگر''۔

حضرت مصعب فرماتے ہیں:

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، اسد الغابۃ، ج 2، ص 240، محمد بن عبد الکریم الجذری، المکتبۃ الاسلامیہ، تہران

حَجَّ الْحُسَیْنُ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ حَجَّةً مَاشِیًا (1)

''حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پیدل پچیس حج ادا کیے''۔

اگر نسبت کا شرف ہی نجات کے لیے کافی ہوتا تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اس قدر عبادت کیوں فرماتے؟

حضرت امام زین العابدین رات اور دن میں ایک ہزار رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔ جب تیز ہوا چلتی تو بے ہوش ہر کر گر جایا کرتے تھے (2)۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی پوری پوری رات رب کے حضور سجدہ ریزیوں میں گزر جاتی تھی۔ کیا اہل بیت کرام کے ان مقدس افراد کا یہ ذوق عبادت ان لوگوں کے لیے مشعل راہ نہیں جو شرف نسبت کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منحرف ہوتے ہیں۔ ایسی سوچ کے حامل افراد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو کبھی نہ بھولیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا ﴿۶۰﴾ (3)

''ان (انعام یافتہ بندوں) کے بعد ان کے جانشین وہ لوگ ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا۔ خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ وہ عنقریب اپنی گمراہی کے انجام کو پائیں گے۔ مگر جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور نیک کام کیے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر کچھ بھی زیادتی نہیں کی جائے گی''۔

نسبت کا شرف ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے صدقہ میں ان سے نسبت رکھنے والوں پر بہت کچھ کرم فرماتا ہے ان کے دو کو چار بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اسے

1۔ تہذیب الاسماء واللغات، ج 1، ص 163، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، ادارۃ الطباعۃ، المنیریۃ، مصر

2۔ صفۃ الصفوۃ لابن جوزی، ج 2، ص 56، بحوالہ المرتضیٰ، ص 385، مولانا ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی

3۔ مریم 19: 59-60

Marfat.com

بے عملی کا ذریعہ بنا لینا سوائے حیلہ نفس کے اور کچھ نہیں"۔

4۔ توبہ وشفاعت کا خودساختہ مفہوم

حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں نے ہمیشہ یہ بنیادی غلطی کی کہ کسی عقیدہ کا اصل تصور وحی سے لیا اور ان پر اپنی چاہتوں کے مطابق خودساختہ حاشیے چڑھا کر حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جیسے مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اب فرشتوں کا علم بھلا کسی انسان کو بغیر وحی کے کیسے ہوسکتا ہے۔ فرشتوں کا اصل تصور وحی سے لے کر اس پر اپنی سوچ کے مطابق حاشیے چڑھا لیے۔ نصاریٰ کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ توحید کا عقیدہ وحی سے لے کر اس پر اپنی مرضی سے احکام مرتب کرنا ہی گمراہی کی بنیاد ہے۔ انصاف اور دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ جب اصل عقیدہ وحی سے اخذ کیا گیا ہے تو پھر اس کی تفاصیل بھی ذات پیغمبر علیہ السلام سے اخذ کی جائیں۔

جن لوگوں نے توبہ وشفاعت کو بے عملی کا ذریعہ بنالیا ہے دراصل وہ بھی اسی بنیادی غلطی میں مبتلا ہیں توبہ حق ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ نہ صرف قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خوش بھی بہت ہوتا ہے۔ توبہ کا کھلا دروازہ انسان کو کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتا۔ لیکن اگر انسان یہ سوچ لے کہ چلو گناہ کرتے جاؤ بعد میں توبہ کرلیں گے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا:

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۞ (1)

"یوسف کو قتل کردو یا اسے کسی اور علاقے میں پھینک آؤ۔ پھر تمہارے باپ کی ساری توجہ تمہاری طرف ہوگی۔ اور تم اس کے بعد اچھے لوگ ہو جاؤ گے"۔

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو سوچا ہوگا کہ کسی بے گناہ انسان کو قتل کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔ تو پھر

1۔ یوسف 9:12

Marfat.com

ان کے نفس نے انہیں یہ حیلہ سکھایا کہ گناہ کرلو بعد میں توبہ کر کے نیک اور صالح انسان بن جائیں گے۔اس مقام پر امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُمْ قَبْلَ التَّوْبَةِ لَا يَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ (1)

"یہ اس پہ دلالت کرتا ہے کہ وہ توبہ سے پہلے صالح انسان نہیں تھے"۔

توبہ کا فلسفہ تو انسان کو مایوسی سے بچانا ہے اسے گناہوں پر برانگیختہ کرنا نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزی اس تناظر میں فرماتے ہیں:

"بعض عوام کہتے ہیں کہ ہم آئندہ توبہ کرلیں گے اور نیک بن جائیں گے۔ حالانکہ بہت سے امید کرنے والے اپنی امید سے رہ گئے۔اور موت نے پہلے ہی خاتمہ کر دیا۔خطا میں جلدی کرنا اور راستی میں منتظر رہنا تو کوئی احتیاط نہیں۔ بسا اوقات توبہ میسر نہیں ہوتی اور اکثر توبہ ٹھیک نہیں ہوتی اور بعض دفعہ قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ قبول بھی ہوگئی۔تو گناہ کی شرمندگی ہمیشہ رہتی ہے۔لہٰذا گناہ کے خیال کو ہٹانا حتیٰ کہ دور رہے اس بات سے آسان ہے کہ توبہ کی محنت اٹھائے حتیٰ کہ قبول ہو یا نہ ہو"۔(2)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ توبہ کے آسرے پر گناہ کرنا دراصل نفس کا ایک حیلہ اور شیطانی تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

ایسے ہی عقیدہ شفاعت حق ہے۔لیکن اگر کوئی انسان یہی سوچ کر گناہ کرتا رہے کہ خیر ہے میری شفاعت ہو جائے گی تو یہ سوچ بھی کئی وجوہ سے حق سے انحراف کرنے اور شیطانی چالوں میں پھنسنے پر دلیل ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا کوئی انسان ایک لمحہ کے لیے بھی آگ پر بیٹھ سکتا ہے اور دوزخ کی آگ تو دنیا سے آگ سے بھی کئی گنا بڑھ کر گرم ہے۔ اگر کوئی کلمہ گو دوزخ میں پھینک دیا گیا تو آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا فیض تو ان شاء اللہ اسے ملے گا ہی۔لیکن دوزخ میں اس وقت تک جلنے کی ہمت وہ کہاں سے لائے گا؟

1۔التفسیر الکبیر، ج 18، ص 95، امام فخر الدین رازی، مکتب الاعلام الاسلامیہ (1411ھ)

2۔تلبیس ابلیس (اردو)، علامہ ابن جوزی، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ دوزخ میں اسے ہی پھینکا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا تو کیا گناہ کر کے وہ اپنے کریم رب کو ناراض کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے تو آخر یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس ذات گرامی کو ناراض کیا جائے جس سے سب سے بڑھ کر محبت کیے بغیر انسان ایمان کی حلاوتوں سے ہی محروم رہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے ہر امتی سے اس کے ماں باپ سے بھی کہیں بڑھ کر محبت فرماتے ہیں تو جب بیٹا برے کام کرے تو باپ کو کتنا دکھ ہوتا ہے اور جب امتی گناہ کرے گا تو کیا حضور اکرم ﷺ کو دکھ نہیں ہوگا؟ امام سیوطی فرماتے ہیں:

قَالَ الْاُسْتَاذُ اَبُوْ مَنْصُوْرٍ عَبْدُالْقَاهِرِ بْنِ طَاهِرِ الْبَغْدَادِیُّ قَالَ الْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا۔ اِنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَیٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَيَحْزَنُ بِمَعَاصِی الْعُصَاةِ مِنْهُمْ (1)

''استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ بے شک ہمارے نبی ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں۔ آپ اپنے امتیوں کی اطاعت سے خوش ہوتے ہیں۔ اور گنہگاروں کے گناہ کرنے سے غمگین ہوتے ہیں''۔

جو شخص عقیدہ شفاعت کو گناہ کرنے کا ذریعہ بناتا ہے وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ وہ گناہ کر کے صاحب شفاعت ﷺ کو دکھ دینے کا سامان کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

اس تناظر میں ہمیں یہ حقیقت بھی ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جس ذات اقدس اطہر ﷺ نے ہمیں شفاعت کی خبر دی۔ انہیں نے عملی طور پر اس کا مفہوم اور تفاصیل بھی واضح فرمائیں اگر عقیدہ شفاعت کا مطلب یہی ہوتا کہ عبادات کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری

1۔ الحاوی للفتاوی، ص 667، امام جلال الدین سیوطی، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

شفاعت ہو جائے گی تو آپ اپنے صحابہ کرام اور اہل بیت غلام کو عبادت کی اس قدر تلقین کیوں فرماتے؟ س سے واضح ہو رہا ہے کہ شفاعت کا یہ خود ساختہ مفہوم نفس کے ایک حیلہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی بندے سے کہیں کہ نماز پڑھ تو وہ کہتا ہے کہ اللہ توفیق دے۔ بظاہر تو یہ جملہ بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن اس تناظر میں اس جملے کا مفہوم راہ عبادت سے انحراف کرنا اور نفس کے حیلوں میں گرفتار ہونا ہے کیونکہ یہ جملہ انسان اس وقت تو نہیں بولتا جب اسے کہا جائے اپنی دکان پہ چلا جا تو وہ فوراً چلا جاتا ہے اس نے کبھی نہیں کہا کہ اللہ توفیق دے۔ جب اسے تھانیدار بلائے تو اس نے کبھی نہیں کہا کہ اللہ توفیق دے تو آتا ہوں بلکہ بھاگتا چلا جاتا ہے۔ اور جب نماز کا کہا جائے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ توفیق دے تو گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز کا حکم تو دے دیا لیکن ابھی نماز کی توفیق نہیں دی۔ یہ بات صراحۃً باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ توفیق کے بغیر حکم نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (1)

"اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر پابند نہیں کرتا"۔

اللہ تعالیٰ توفیق پہلے دیتا ہے اور حکم بعد میں دیتا ہے۔ اور توفیق سے مراد ہی یہ ہے جعل الاسباب موافقة للخیر۔ کہ انسان جو کام کرنا چاہے اس کے کرنے کے اسباب مہیا ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو عبادت کرنے کے مکمل اسباب فراہم فرما دیئے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ اللہ توفیق دے اور عبادت نہ کرنا۔ دراصل ایک حیلہ نفس ہے۔

5۔ چند دیگر حیلے

انسان جب ایک نیکی کا کام نہیں کرنا چاہتا تو وہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دیتا ہے۔ کبھی عبادت نہ کرنے کے لیے کسی مجذوب کا حوالہ دے دیتا ہے کہ دیکھو جب! وہ اتنے بڑے اللہ کے مقرب بندے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس

1۔ البقرہ 286:2

Marfat.com

طرح وہ اپنے نفس کو مطمئن کر لیتا ہے۔

لیکن اگر حقیقت کی دنیا میں جھانکا جائے تو اس کی یہ بات نفس کے ایک گمراہ کن حیلہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ ہے کسی اور کی نہیں۔ جب ایک چیز کا حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے تو آپ کے فرمان عالیشان کے مقابلہ میں کسی اور کو لانا سوائے گمراہی اور لادینی کے اور کچھ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ بندہ واقعی مجذوب ہے تو مجذوب تو ہوتا ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ جذب و کیف میں اسے تو کسی چیز کا ہوش ہی نہیں ہوتا اسی وجہ سے وہ تو شریعت کا مکلف ہی نہیں ہوتا۔ ایک عام انسان ان معاملات میں اس کی پیروی کیسے کر سکتا ہے اسے چاہیے کہ اس مجذوب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں حسن ظن رکھے۔ مجذوب تمام تر مقامات کے باوجود واجب الاتباع نہیں ہوتا۔ علامہ عبد الرؤف مناوی فرماتے ہیں۔

وَ يَظْهَرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِمْ لِمَجَاذِيْبَ وَ نَحْوِهِمِ الَّذِيْنَ يَبْدُوْ مِنْهُمْ مَا ظَهَرَهٗ خَلَافُ الشَّرْعِ فَلَا تَتَعَرَّضْ لَهُمْ بِشَيْءٍ وَ نُسَلِّمْ اَمْرَهُمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى (1)

"یہاں "عارفین" سے مراد مجاذیب اور ان جیسے (صاحب حال) لوگ ہیں کہ جن سے بظاہر خلاف شرع امور صادر ہوتے ہیں۔ پس تم ان سے کسی قسم کا تعرض مت کرو اور ہم ان کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں"۔

اگر وہ در حقیقت مجذوب ہی ہو تو تب بھی ہمیں ان کی پیروی نہیں کرنی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنی ہے اور اگر وہ دنیا کے دیگر معاملات میں بہت چاک و چوبند ہے لیکن عبادت کرنے میں مجذوب کا روپ دھار لیتا ہے تو وہ تو ہے ہی کوئی دھوکہ باز اور مکار

1۔ فیض القدیر بشرح الجامع الصغیر، ج 3، ص 753، علامہ عبد الرؤف مناوی، دار صادر، بیروت

Marfat.com

شخص۔اس کی پیروی کا کوئی ایمان والا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس تناظر میں یہ حقیقت بھی ضرور ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ آخر عبادت نہ کرنے میں ہی اس مجذوب کی پیروی کیوں کی جاتی ہے۔اگر اس مجذوب نے تو دنیا کو ترک کر کے ایک ایک جھونپڑی میں بسیرا کیا ہوا ہو۔اور جو کچھ اس کے پاس آئے وہ اسے اللہ کی راہ میں لٹا دے۔لیکن جو نماز نہ پڑھنے میں اس کی مثال دیتا ہے وہ جلب زر کی ہوس میں حلال وحرام کی تمیز ہی کھو دے اور ایسے ایسے محلات بنانے میں مصروف ہو کہ جیسے ہمیشہ یہاں ہی رہنا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مجذوب کے طریقے پر بھی چلنے والا نہیں ہے صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مجذوف کو سیڑھی بنانے کا جرم کر رہا ہے۔کوئی شاہ منصور انا الحق کہے تو اور بات ہے کوئی اور کہے تو اور بات ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی انسان کی ایک خوبی اس کی کسی دوسری کمی کو پورا کر دیتی ہے۔مثلاً ایک انسان کا ایک دوست وفا کا پتلا تو ہے لیکن مزاج کا تلخ ہے تو انسان اس کی تلخی کو اس کی وفا کی وجہ سے برداشت کر لیتا ہے۔اور اس کی تلخی کو بھول کر اس سے شدید محبت کرتا ہے ایسے ہی ایک انسان تہجد گزار ہے، اخلاق عالیہ کا پیکر ہے لیکن بالفرض اس کی داڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے۔تو ہو سکتا ہے اس کی دیگر عبادت اس کی کمزوری کو پورا کر لیں اور وہ اللہ کی بارگاہ میں ایک بلند مقام کا حامل ہو۔لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس کی یہ کمی، کمی ہی رہے گی۔اب اگر کوئی بندہ اس کے مقام، مرتبہ اور تقویٰ وتدین کو دیکھ کر اس سنت کو ترک کرنے کی دلیل بنائے تو یہ اس کی بنیادی غلطی ہوگی۔ممکن ہے اللہ کی بارگاہ میں اس شخص کا مقام کئی جبے اور قبے والوں سے بلند ہو لیکن اس کا سنت کے خلاف یہ عمل بہر حال غلط ہے۔ہمارے لیے اسوۂ حسنہ صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حق کی کسوٹی اور معیار صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔کسی دوسرے کا کوئی بھی عمل اس وقت قابل تقلید ہوگا جب وہ سنت نبوی کے مطابق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس کا کیا مقام ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ہمیں

دوسروں کو احترام کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ کیا خبر اس کریم کو تو ہے یا وہ پسند

لیکن اسوۂ حسنہ صرف رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے کسی اور کی نہیں۔ حق صرف آپ کی پیروی کرنے میں مخفی ہے اس کے خلاف جو بھی ہے وہ نفس حیلہ جو کے حیلے اور بہانے ہیں۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں بھی ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس عیار کے حیلوں سے محفوظ فرما کر سدا اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین بحرمۃ طٰہٰ و یٰسین

Marfat.com

بیوفائی یا مجبوری؟

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات 12:49)

''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچ کر رہا کرو۔ بے شک بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں''۔

Marfat.com

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں کوئی بیوفا نہیں ہوتا

آنکھ ناقص ہے وگرنہ اس جہاں کا اصل روپ
دیکھ لے اک بار جو وہ خوف سے مر جائے گا

Marfat.com

زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آجاتے ہیں کہ ایک انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا دوست اس کے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے یا کوئی انسان اخلاقیات کے دائروں سے باہر نکل رہا ہے یا ایسی شخصیت جس سے اسے بڑی ہی عقیدت تھی۔ اس کی امیدوں پر پانی پھیر رہی ہے جب کہ ایسا بالکل نہیں ہوتا۔ جو کچھ نظر آ رہا ہوتا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اخلاق، مذہب اور انسانی اقدار کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بہت جلد کسی کے بے وفا یا بداخلاق ہونے کی رائے قائم نہ کرے بلکہ اس کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ شاید اسے مجرم سمجھنے کی بجائے وہ اسے ایک مجبور اور بے بس انسان کے روپ میں دیکھے۔

اگر ایک انسان کسی کی امیدوں پر پورا نہیں اترا تو ممکن ہے یہ اس کی کوئی مجبوری ہو۔ جب کہ دوسرا انسان یہی سمجھ رہا ہو کہ یہ بیوفائی ہے۔ جو انسان رائے قائم کرتے ہوئے بات کی تہہ تک نہیں پہنچتا اور ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے بہت جلد رائے قائم کر لیتا ہے دراصل وہ انسان ایک بدگمانی میں مبتلا ہو کر بہت چھوٹے پن کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔

چند مثالوں سے اس حقیقت کے مختلف روپ بڑے واضح ہو جاتے ہیں۔ اپنے مافی الضمیر کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ عصر حاضر کے معروف دانشور اشفاق احمد نے ایک مرتبہ اپنے پروگرام ''زاویہ'' میں ایک واقعہ بیان کیا۔ میں مختصراً اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں وہ فرمانے لگے:

ہمارے محلے میں ایک خاتون آ کر رہنے لگی، اس کے بچے بھی تھے۔ وہ خوشبو کا بہت زیادہ استعمال کرتی تھی اس کے گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے انسان کو خوشبو کی لپٹیں واضح محسوس ہوتی تھیں۔ اہل محلہ کو یہ بات بڑی ناگوار گزرتی تھی کہ آخر ایک عورت کا اتنی زیادہ خوشبو کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کے گھر ایک لمبی گاڑی میں ایک مرد بھی آتا تھا۔ اور وہ عورت کبھی کبھی اپنے بچوں کو گھر سے باہر نکال دیتی تھی۔ اس کی یہ سب باتیں مشکوک تھیں۔ اہل محلہ سوچتے تھے کہ آخر اتنی زیادہ خوشبو کا استعمال کیوں؟ یہ اجنبی مرد کون ہے؟

اور یہ عورت بچوں کو گھر سے باہر کیوں نکال دیتی ہے؟

سب لوگ اس کو ایک بری عورت سمجھتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ کیا مصیبت ہم پہ مسلط ہوگئی ہے۔ وہ اسے محلے سے نکالنے کا منصوبہ بنا رہے تھے تاکہ اس کی برائی کی وجہ سے محلہ بدنام نہ ہو۔

ایک دن وہ خاتون سبزی لینے کے لیے دکان پر گئی اسے وہیں کسی چیز کا دورہ پڑا اور وہ وہیں مرگئی۔ اس کے بعد جو حقیقت کھلی اس نے اہل محلہ کو نادم کر دیا۔ پتہ چلا کہ یہ عورت بیمار تھی اور اسے ایک ایسی بیماری تھی جس میں ڈاکٹرز نے اسے بہت زیادہ خوشبو استعمال کرنے کا کہا تھا ورنہ اس کی زندگی کو خطرہ تھا اور جو اجنبی مرد اس عورت کے گھر آتا تھا وہ اس کا ذاتی معالج تھا۔ وہ اس کے چیک اپ کے لیے آتا تھا۔ اور وہ جو بچوں کو باہر نکال دیتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس عورت کو ایسا دورہ پڑتا تھا جس میں وہ بہت زیادہ تڑپتی تھی اور یونہی اسے محسوس ہوتا تھا کہ اسے دورہ پڑنے والا ہے تو وہ اپنے بچوں کو گھر سے باہر نکال دیتی۔ تاکہ وہ اسے تڑپتا ہوا نہ دیکھیں۔ اور اس کی بیماری بچوں کے چہرے سے رونقیں نہ چھین لے۔

جاگ جائیں نہ میرے نیند کے مارے بچے
اب تڑپنا نہیں، چپ چاپ ہی مرنا ہے مجھے

اشفاق صاحب کہتے ہیں جب محلہ والوں کو اس حقیقت حال کا علم ہوا تو سب بڑے نادم ہوئے کہ ہم کیا سوچتے تھے اور حقیقت کیا ہے۔ اکثر مواقع پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ حقیقت ظاہر سے بالکل متضاد ہوتی ہے۔ لیکن انسان حقیقت جانے بغیر ایک رائے قائم کر لیتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسی تناظر میں دوسری مثال امام شافعی کا ایک معاملہ ہے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

''امام شافعی کے شاگرد امام احمد بن حنبل سے ہر مسلمان واقف ہے ان کے بارے میں امام ابن تیمیہ کا یہ جملہ دہرا دینا کافی ہے کہ امام احمد سے محبت اس بات کی دلیل ہے کہ اس انسان کو سنت رسول ﷺ سے محبت ہے۔ یعنی جس شخص کو سنت رسول سے محبت ہوگی

Marfat.com

اس کو امام احمد سے لازماً محبت ہوگی۔ ان کا مقام و مرتبہ واضح کرنے کے لیے یہ ایک جملہ ہی کافی ہے۔ امام احمد کی زندگی غیر معمولی طور پر عبادت اور انابت الی اللہ کی سرگرمیوں میں گزرتی تھی۔ وہ اس معاملہ میں اپنے زمانے میں ضرب المثل تھے۔ ان کے دن علم حدیث کی تدریس میں اور ان کی راتیں مصلے پر کھڑے ہو کر زار و قطار رو رو کر گزرا کرتی تھیں۔ لیکن جب بھی عبادت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! امام شافعی کی عمر میں برکت عطا فرما ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے گزشتہ تیس سال میں کوئی ایک نماز بھی ایسی نہیں پڑھی جس میں میں نے امام شافعی کے لیے دعا نہ کی ہو۔

امام احمد بن حنبل کی ایک ننھی سی بچی تھی جو یہ سوچا کرتی تھی کہ میرے والد اتنی غیر معمولی عبادت کرتے ہیں کہ دنیا ان کی عبادت کو ضرب المثال سمجھتی ہے۔ وہ کہتی کہ آخر اس سے زیادہ کیا عبادت ممکن ہے کہ دن مسجد میں حدیث پڑھانے میں گزریں اور راتیں مصلے پر کھڑا ہو کر رونے میں۔ ان دو مشاغل کے علاوہ میرے والد کو کسی چیز سے غرض نہیں ہے وہ یہ بھی سوچا کرتی کہ امام شافعی جن کے لیے میرے والد ہر وقت دعا کرتے ہیں آخر وہ کس درجہ کے انسان ہوں گے اور آخر ان کی عبادت گزاری کس درجہ اور کس شان کی ہوگی۔ امام شافعی قاہرہ میں رہتے تھے اور امام احمد بن حنبل بغداد میں رہا کرتے تھے۔ قاہرہ اور بغداد کا فاصلہ اتنا تھا کہ آپ اگر اس زمانے کے لحاظ سے دیکھیں تو ملاقات کی کوئی بھی صورت نہیں تھی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ امام شافعی کا پیغام امام احمد کو ملا کہ میں بغداد آنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ بغداد میں فلاں محدث کے علم میں ایک حدیث ہے اور میں ان سے براہ راست اس حدیث کو سننے کے لیے آنا چاہتا ہوں۔ ان کی عمر اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ دنیا سے چلے نہ جائیں۔ چنانچہ ان سے ایک روایت سننے کے لیے انہوں نے قاہرہ سے بغداد کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں نہ ریل گاڑیاں ہوتی تھیں اور نہ جہاز ہوتے تھے۔ لیکن قافلے چلا کرتے تھے۔ اور قافلوں کو منظم کرنے والے ہوتے تھے جیسے آج کل ٹریول ایجنٹ ہوتے ہیں۔ انہیں جمال کہا جاتا تھا۔ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک کارواں لے کر

Marfat.com

جایا کرتے تھے۔ تنہا سفر کرنا مشکل ہوتا تھا۔ راستے میں نہ کھانے کا انتظام ہے، نہ پانی ہے، اور نہ سرائے۔ البتہ پورا کارواں جب چلے گا تو چار پانچ سو افراد پر مشتمل ہوگا۔ وہ اپنا انتظام بھی کرے گا اور کھانے پینے کا بندوست بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔ اور راستہ میں اپنی حفاظت کا انتظام بھی وہی کرے گا۔ اس لیے لوگ بہت پہلے سے قافلے میں بکنگ کرا لیا کرتے تھے۔ اعلان ہو جاتا تھا کہ فلاں تاریخ کو قافلہ روانہ ہوگا۔ جسے جانا ہو وہ پیسے جمع کرا دے اور قافلہ میں شامل ہو کر روانہ ہو جائے۔ چنانچہ امام شافعی نے بھی اپنے کرائے کے پیسے جمع کروائے اور قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کرائے کے پیسے پہلے سے جمع کروانے پڑتے تھے اور کھانے کے پیسے ساتھ لے لیے جاتے تھے اور وقت پر جمع کروانے پڑتے تھے۔ اس لیے کہ جس جگہ قافلہ پڑاؤ کرتا تھا۔ اس جگہ قرب و جوار سے لوگ آ کر دکانیں بھی لگایا کرتے تھے ان سے قافلے والے نقد پیسوں پر کھانا لیا کرتے تھے اس طرح کئی ماہ کا سفر کر کے امام شافعی بغداد پہنچ گئے۔

قیام امام احمد بن حنبل کے ہاں ہی ہوا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی کمسن بیٹی کو خصوصی ہدایات دے دیں کہ تمہیں میرے استاد کا خاص خیال رکھنا ہے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اب بچی کو بڑا اشتیاق پیدا ہوا کہ اب یہ دیکھنے کا موقع ملے گا کہ ان کی رات کی عبادت کیسی ہوتی ہے۔ امام شافعی نے عشاء کی نماز مسجد میں جا کر ادا کی اور واپس آ کر آرام کی غرض سے بستر پر لیٹ گئے۔ اب بچی تھوڑی دیر میں اپنے والد کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتی کہ وہ مصلے پر کھڑے ہیں اور رو رہے ہیں پھر امام شافعی کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتی کہ وہ بستر پر دراز ہیں اور سو رہے ہیں۔ اس کو خیال ہوا شاید آج سفر سے آئے ہوئے ہیں۔ تھکن کی وجہ سے سو گئے ہیں۔ شاید تہجد میں اٹھیں گے۔ لیکن امام شافعی تہجد میں بھی نہیں اٹھے۔ فجر کی اذان پر بھی نہیں اٹھے جب امام احمد بن حنبل نماز فجر کے لیے مسجد میں جانے لگے۔ تو انہوں نے آواز دی کہ حضرت جماعت تیار ہے۔ تشریف لے چلیے امام شافعی نے چادر اتار کر پھینکی اور ان کے ساتھ مسجد روانہ ہو گئے۔ بچی حیرانی سے یہ

Marfat.com

تمام منظر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ معلوم نہیں کیا معاملہ ہے ویسے تو میرے والد کے بھی شیخ اور استاد ہیں مگر تمام رات سوتے رہے۔ صبح کو فجر کی نماز کے لیے وضو کیے بغیر ہی مسجد میں چلے گئے۔ اور وضو کا پانی جوں کا توں رکھا رہا، آخر میرے والد ان کے کس عمل کی وجہ سے ان کے اتنے قائل ہیں کہ ہر وقت ان کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد سنت کے مطابق فجر کے بعد مسجد میں بیٹھے رہے اور ذکر کرتے رہے۔ سورج نکلنے کے بعد اشراق کے نوافل پڑھ کے گھر واپس آئے کہ مسنون طریقہ یہی ہے۔ امام شافعی فجر پڑھ کر ہی واپس آ گئے اور پھر بستر پر لیٹ گئے۔ جب ناشتہ لگ گیا اور انہیں ناشتہ کے لیے بلایا گیا۔ تو وہ دوبارہ چادر پھینک کر ناشتہ کے لیے آ کر بیٹھ گئے۔ اب یہ بچی دیکھتی تھی کہ اس کے والد ہمیشہ سے بہت تھوڑا کھاتے ہیں۔ اس نے شاید یہی سنا تھا کہ بزرگ بہت تھوڑا کھاتے ہیں لیکن امام شافعی کو دیکھا تو انہوں نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا، اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر یہ واقعی بزرگ ہیں تو ان کے اندر یہ باتیں کیوں ہیں؟ اور ان کے اندر یہ باتیں ہیں تو پھر یہ بزرگ کس طرح کے ہیں۔

اسی اثنا میں امام احمد نے استاد گرامی سے پوچھا کہ رات آرام سے گزری؟ ٹھیک طرح سے سو گئے تھے؟ امام شافعی نے جواب دیا کہ رات جب تم نے عشاء کی نماز پڑھائی تو تم نے یہ آیت تلاوت کی وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (1) یہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات میں سے ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک اسے خوش حالی نصیب نہ ہو جائے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کو سن کر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس آیت سے تو اسلامی قانونِ افلاس نکلتا ہے۔ پھر میں نے غور کیا تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس قانونِ افلاس کی بنیاد اخلاقی اصول پر ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس سے تو یہ حکم بھی نکلتا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ اس سے تو فلاں حکم بھی نکلتا ہے۔ وہ بیان کرتے گئے اور امام احمد سنتے گئے۔ پھر

1۔ البقرہ 280:2

Marfat.com

انہوں نے کہا جب میں 108 ویں مسئلہ پر پہنچا۔ تو تم نے مجھے فجر کی نماز کے لیے آواز دے دی۔ اب جا کر بچی کو معلوم ہوا کہ امام شافعی کی ایک رات میرے والد کی ہزاروں راتوں کے اوپر بھاری ہے۔ اس لیے کہ ان کے والد جو کچھ کر رہے ہیں اپنی ذات کے لیے کر رہے ہیں اور امام شافعی جو کچھ کر رہے ہیں وہ پوری امت کے لیے ہے۔

بچی کے دل میں یہ بھی خیال تھا کہ یہ زیادہ کیوں کھاتے ہیں۔ امام احمد نے ان سے پوچھا۔ آپ کا سفر کیسا رہا۔ امام شافعی نے کہا کہ سفر میں تھوڑی سی پریشانی رہی۔ اس لیے کہ جب میں قاہرہ سے روانہ ہوا۔ تو میرے ساتھ پیسوں کی جو تھیلی تھی، درہم اور دینار کی، وہ راستے میں گم ہو گئی۔ اب میرے سامنے دو ہی صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ قاہرہ واپس چلا جاؤں۔ اور دوبارہ پیسوں کا انتظام کر کے آؤں۔ اس عرصہ میں یہ قافلہ نکل جاتا۔ اور جس محدث کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ وہ چراغ سحری ہیں، نہ معلوم کب گل ہو جائے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤں کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں نے اس دوسری صورت پر عمل کرنے کو ترجیح دی۔ میرے قافلے کے ساتھیوں نے میری بہت عزت اور خدمت کی۔ لیکن مجھے ان کی آمدنی پر بہت زیادہ اعتماد نہیں تھا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب انسان کی جان پر بن جائے تو مشکوک آمدنی میں سے بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔ اس لیے میں نے تیسرے چوتھے دن ان سے بقدر ضرورت کھانا قبول کیا۔ اور پورے چھ ماہ کے سفر میں شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھا سکا۔ آج پہلی مرتبہ حلال اور جائز کھانا ملا، دوسرے یہ کہ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ حلال رزق میں ایک خاص نور ہوتا ہے جس کا اندازہ دستر خوان پر بیٹھ کر ہی ہو جاتا ہے۔ آج تمہارے دستر خوان پر بیٹھ کر مجھے جتنا نور نظر آیا کسی اور دستر خوان پر کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے میں نے آج اس نور سے خوب استفادہ کیا۔ ان کی اس بات سے بچی کے دوسرے سوال کا جواب بھی مل گیا"۔(1)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک چیز کی حقیقت کیا تھی اور بظاہر وہ کتنی مختلف نظر آ رہی

1۔ محاضرات قرآنی، ص 203-204، ڈاکٹر احمد غازی، الفیصل ناشران کتب، لاہور

تھی۔اور حقیقت ظاہر ہے کتنی مختلف تھی۔بغیر تحقیق کے کسی ظاہری چیز پر حکم لگا دینا نہ صرف اخلاقی طور پر جرم ہے بلکہ مذہبی تعلیمات سے بھی صراحۃً انحراف ہے۔اسی تناظر میں معروف صحافی جاوید چودھری کی تن بیتی بھی پڑھنے کے قابل ہے۔اور مجبوری یا بیوفائی کا فرق سمجھنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔جاوید چودھری لکھتے ہیں:

''مجھے بے وقوفی کا پہلا احساس 1990ء میں ہوا۔1993ء میں یہ احساس شدت کر گیا۔مگر دوسرے احساس کی نوعیت پہلے سے یکسر مختلف تھی۔میں 1990ء میں بہاولپور میں پڑھتا تھا۔میرا ایک دوست راولپنڈی میں رہتا تھا۔یہ دوست مجھ سے عمر میں سینئر بھی تھا،شادی شدہ بھی اور بال بچوں والا بھی۔میں سردیوں کے دنوں میں اس سے ملاقات کے لیے راولپنڈی آ گیا،ہمارا پروگرام تھا ہم دونوں چند دن راولپنڈی میں رہیں گے۔اس کے بعد برف باری دیکھنے کے لیے مری چلے جائیں گے۔اور میں ایک ہفتہ گزار کر واپس بہاولپور آ جاؤں گا۔میں دس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد شام کے وقت راولپنڈی پہنچا۔شہر شدید سردی کی لپیٹ میں تھا میں رکشہ لے کر دوست کے گھر پہنچ گیا۔اس نے دروازے پر میرا استقبال کیا۔میں گرم جوشی سے اس سے لپٹ گیا۔وہ بھی مجھے گلے ملا۔لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کے معانقے میں گرم جوشی نہیں۔وہ اپنی بیٹھک میں لے گیا۔اس نے چائے کا بندوبست کیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا،میں اس سے بلا تکان گفتگو کرتا رہا۔مگر وہ گفتگو میں میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔وہ بات چیت کے دوران کھو جاتا تھا۔میں اس کی غیر حاضر دماغی پر خاموش ہو جاتا تو اسے بڑی دیر تک میری چپ کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔اس نے میرے سفر کے بارے میں بھی نہیں پوچھا۔میرے لیے اس کا یہ ٹھنڈا رویہ پریشان کن تھا۔میری پریشانی اس وقت مزید بڑھ گئی جب اس نے مجھ سے پوچھا ''آپ خیریت سے راولپنڈی آئے ہیں؟''میرے لیے اس کا سوال بم ثابت ہوا۔کیونکہ میں اس کی دعوت پر راولپنڈی آیا تھا۔میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔اس نے دوسرا سوال پوچھا ''آپ کتنے دن راولپنڈی میں ہیں اور کہاں رہیں گے؟''۔میری پریشانی انتہا کو چھونے

لگی۔ کیونکہ میں اس کے گھر ٹھہرنے کے لیے آیا تھا۔ میرا سامان تک اس کے ڈرائینگ روم میں پڑا تھا۔ میں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ کھوئے ہوئے انداز میں گھورتا رہا۔ مجھ سے کوئی بات نہ بن پائی تو میں نے جواب دیا۔ ''میں ویسے ہی ایک دن کے لیے راولپنڈی آیا ہوں۔ کل واپس چلا جاؤں گا اور ہوٹل میں رہوں گا، اس نے اثبات میں سر ہلایا اور نہایت روکھے انداز میں کہا اگر آپ مزید ایک دن رک جائیں تو ہم کھانا اکٹھے کھائیں گے، میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ چائے کا کپ میز پر رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور بیٹھک سے باہر نکل گیا وہ اپنی کرسی پر بیٹھ کر مجھے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے مجھے خدا حافظ تک کہنا مناسب نہ سمجھا۔ میں شدید غصے میں تھا۔ میں وہاں سے مری روڈ پر آیا وہاں سستا ہوٹل لیا، نیند کی گولی کھائی اور گہری نیند سو گیا۔

میں اگلے دن بہاولپور واپس آ گیا۔ مگر مجھے دوست کے رویے نے اندر سے بری طرح توڑ دیا۔ میں اس شخص کو دنیا کا بدتمیز ترین، غیر مہذب اور مطلبی سمجھنے لگا میں اپنے آپ کو بے وقوف بھی سمجھتا تھا اور اس بے وقوفی پر اپنے آپ کو لعن طعن بھی کرتا تھا۔ میں دو اڑھائی سال تک اپنے ملنے والوں کو یہ واقعہ سناتا رہا اور لوگ مجھ سے ہمدردی اور اس شخص سے نفرت کرتے رہے۔ آپ بھی اگر اس صورت حال کا تجزیہ کریں تو آپ کو بھی مجھ سے ہمدردی اور اس شخص سے نفرت ہو جائے گی۔ میں نے اس واقعہ کے بعد فیصلہ کیا کہ میں کسی دوست، عزیز، رشتے دار اور جاننے والے کے ساتھ سیر و تفریح کا کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا۔ میں اپنے پروگرام کا اکیلا ممبر ہوں گا۔ اور اسے اکیلا ہی انجوائے کروں گا۔ دوسرا میں کبھی بھی کسی رشتے دار یا دوست کے گھر نہیں رہوں گا میں ہوٹل میں کمرہ لوں گا اور اس کے بعد ملاقات کے لیے دوست یا رشتے دار کے گھر جاؤں گا۔ میں اپنا یہ معمول 23 سال سے نبھا رہا ہوں اور زندگی خوشی اور مسرت سے گزار رہا ہوں۔ لیکن یہ خوشی اور مسرت اس کالم کا موضوع نہیں، اس کالم کا موضوع میرا وہ دوست ہے۔ جس نے مجھے راولپنڈی بلا کر شدید سردی میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا میں طویل عرصے تک اس دوست کے خلاف نفرت

Marfat.com

پال کر پھرتا رہا لیکن پھر اس نفرت کا عجیب ڈراپ سین ہوا۔ میں یونیورسٹی سے فارغ ہو کر صحافت میں آ گیا۔ اور ایک دن وہ دوست ہمارے ایک مشترکہ دوست کے ساتھ میرے دفتر آ گیا۔ میں اسے دیکھتے ہوئے غصے سے ابل پڑا مگر وہ مجھے گلے لگا کر اور نرم آواز میں بولا "آپ اپنے غصے کو چند منٹ کے لیے سائیڈ پر رکھ دو اور میری بات سن لو۔ اگر تم اس کے باوجود مجھے غلط سمجھو تو پھر اپنی نفرت کا سلسلہ جاری رکھ لینا۔ میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا وہ بولا "میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میری چھ بہنیں ہیں۔ والدین نے میری شادی بیس سال کی عمر میں کر دی۔ میرے والدین پوتا چاہتے تھے۔ لیکن شاید اللہ کو منظور نہیں تھا میرے ہاں اوپر تلے تین بیٹیاں پیدا ہو گئیں۔ مگر میں مایوس نہ ہوا۔ میں اپنے والدین کی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔ میں پچیس سال کی عمر میں چوتھی بار باپ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد نرینہ سے نوازا۔ میرا پورا خاندان خوش ہو گیا۔ میرا بیٹا خاندان بھر کی گود میں پل کر دو سال کا ہوا۔ لیکن پھر اسے تیز بخار ہوا اور وہ میری گود میں بیٹھا بیٹھا فوت ہو گیا۔ میرے پورے خاندان کی جان نکل گئی۔ وہ خاموش ہوا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میرا غصہ ہمدردی میں بدلنے لگا۔ اس نے پوچھا جاوید صاحب آپ جانتے ہیں۔ وہ بچہ کس دن فوت ہوا تھا میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا وہ بولا "وہ بچہ عین اس وقت فوت ہوا جب آپ رکشے سے اپنا سامان اتار رہے تھے۔ میری کنپٹی میں آگ لگ گئی۔ اس نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا میرے پاس اس وقت دو آپشن تھے۔ میں آپ کو اپنے دکھ میں شریک کر لیتا۔ آپ بھی ہمارے ساتھ سوگوار ہو جاتے اور آپ کی چھٹیاں خراب ہو جاتیں، دوسرا میں آپ سے یہ خبر چھپا لیتا۔ آپ کو ہوٹل جانے پر مجبور کر دیتا۔ آپ مجھ سے وقتی طور پر ناراض ہو جاتے۔ لیکن آپ کی چھٹیاں اور وقت برباد نہ ہوتا۔ میں دوسرے آپشن پر چلا گیا۔ میں نے اپنے خاندان سے کہا میرا مہمان آیا ہے۔ آپ کے رونے کی آواز بیٹھک تک نہیں جانی چاہیے۔ میں اسے واپس بھجواتا ہوں اور ہم اس کے بعد اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اطلاع دیں گے۔ وہ رکا اس نے لمبی سانس لی اور بولا میں نے ان حالات

Marfat.com

میں آپ کے لیے چائے کیسے تیار کروائی۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ میری بیوی، میری ماں، اور میری بہنیں اندر منہ پر سرہانے رکھ کر رو رہی تھیں۔ اور میں آپ کے پاس بیٹھا تھا میں بار بار اندر جا کر انہیں چپ کرانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں اس وقت گہرے صدمے میں تھا۔ چنانچہ مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ آپ جب ناراض ہوئے۔ اور آپ نے اپنا سامان اٹھایا تو میری ٹانگیں بے جان ہو گئیں۔ میں آپ کے ساتھ اٹھ کر باہر تک نہ جا سکا میں کرسی پر بیٹھا رہا۔ آپ یونہی گلی سے باہر نکلے۔ میرے اندر سے چیخ نکلی اور اس کے بعد میرے پورے خاندان نے ماتم شروع کر دیا۔ یہ گہرا صدمہ تھا۔ اس صدمے نے پہلے میری ماں کی جان لی اور اس کے چند ماہ بعد میرے والد بھی فوت ہو گئے پھر میری بیوی بیمار ہو گئی اور میں پے در پے صدموں کا شکار ہوتا گیا میں اب ذرا سا سنبھلا ہوں اور اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے آپ کے پاس آ گیا۔ وہ خاموش ہوا تو میری آنکھیں برسنے لگیں میں اس کے صبر، اس کی ہمت پر حیران تھا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی نعش اندر چھوڑ کر میری خدمت کرتا رہا اور میں اڑھائی سال تک اسے مطلبی، جاہل، ظالم اور بدتمیز سمجھتا رہا، میں اس سے نفرت کرتا رہا اور مجھے اس وقت دوسری بار اپنے بے وقوف ہونے کا احساس ہوا۔

ہم دوسروں کے بارے میں اتنی دیر میں رائے قائم کر لیتے ہیں جتنی دیر میں مرغی کا انڈا ابوائل نہیں ہوتا۔ دنیا کے ہر انسان کے چوبیس پہلو ہوتے ہیں اور یہ پہلو ہر دس، پندرہ منٹ بعد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم جس پہلو کو دیکھتے ہیں ہم اسے حتمی سمجھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اور اس عارضی رائے کی بنیاد پر اس پوری شخصیت کو رد کر دیتے ہیں۔ یا پھر اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ ہم کسی شخص کو کسی کمزور لمحے میں کسی سے لڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم اسے لڑاکا یا جھگڑالو سمجھ لیتے ہیں۔ کسی کو بھاؤ تاؤ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اسے کنجوس، بخیل یا جھوٹا سمجھ لیتے ہیں۔ کسی کو کسی خاتون کی تعریف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اسے ٹھرکی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی اہم شخص ہمارے سلام کا جواب نہ دے یا پھر ہم سے جھک

Marfat.com

کرنہ ملے یا پھر ہمارا فون بند کر دے۔ تو ہم اسے منافق کا ٹائٹل دے دیتے ہیں۔ ہم اسے مغرور یا انا پرست سمجھ لیتے ہیں۔ یا ہم کسی کو کسی حادثہ کے وقت فرار ہوتا دیکھ لیں تو ہم اسے بزدل یا کمزور لوگوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں فقط یہ ایک لمحہ ہے یہ پوری شخصیت یا پوری زندگی نہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو موت کے دھانے تک توبہ کرنے، خود کو ٹھیک کرنے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کا موقع دیتا ہے لیکن ہم دوسروں کی زندگی کا ایک لمحہ، ایک پہلو دیکھ کر نہ صرف رائے قائم کر لیتے ہیں بلکہ اس رائے کو حتمی بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ اس ایک لمحے کے پیچھے خدا جانے کتنی خوفناک کہانیاں چھپی ہوں، یہ شخص ہو سکتا ہے اپنے کسی چاہنے والے کو دفنا کر آیا ہو اور اپنے حواس میں نہ ہو۔ میں آج بھی جب کسی کے بارے میں رائے قائم کرنے لگتا ہوں۔ تو مجھے میرا وہ دوست یاد آ جاتا ہے اور میں اپنی رائے کی چار دیواری کھلی چھوڑ دیتا ہوں۔ میں اس پر دروازہ اور تالا نہیں لگاتا کیونکہ ہو سکتا ہے میری رائے کی دیوار کے پیچھے کوئی اور کہانی چھپی ہو اور یہ کہانی مجھے مزید بیوقوف ثابت کر دے۔(1)

میں نے ایک جملہ بھی حذف کیے بغیر ایک طویل کالم مکمل طور پر صرف اس لیے درج کر دیا۔ کہ یہ مجبوری بیوفائی کا فرق سمجھنے کی ایک عمدہ مثال تھا۔ اور اس پر موصوف صحافی کا تبصرہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ جو شخص اپنی سوچ اور فکر کو اتنا مثبت اور بلند کرے کہ وہ کسی کے بارے میں بیوفا، جھوٹا، خود غرض یا کوئی اور ایسی ہی رائے قائم کرنے سے پہلے سوچ لے کہ شاید اس کی کوئی مجبوری ہو جس کی وجہ سے وہ میری امیدوں پر پورا نہ اترا ہو۔

کچھ تو مجبوریاں رہیں ہوں گی یوں کوئی بیوفا نہیں ہوتا

تو ایسا شخص ہی اخلاص حسنہ کے انوار و تجلیات سے مستفیض ہونے والا اور انسانیت کے اعلیٰ مقام کو پانے والا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محض گمان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا۔

1۔ روزنامہ ایکسپریس، اسلام آباد۔ 10 فروری 2013ء، کالم، رائے، جاوید چوہدری

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (1)

''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچ کے رہا کرو بے شک بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں''۔

مومن کی شان حسن ظن کا امین ہوتا ہے سوئے ظن کی کدورتیں اکٹھی کرنا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (2)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔

سوال یہ ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کر دینا اگر آدمی کے جھوٹا ہونے کی علامت ہے تو کسی سے صورت حال جانے بغیر محض گمان سے کام لے کر اس پر بیوفائی کا فتویٰ لگا دینا۔ یہ کس قدر دجل وفریب کی علامت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مثبت سوچ کا امین بنائے اور بیوفائی اور مجبوری میں فرق کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْأَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔ آمِيْنَ بِحُرْمَةِ طٰهٰ وَيٰسٓ

محمد حبیب اللہ چشتی

1۔ الحجرات 12:49 2۔ الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم، ج3، ص203، محمد بن فتوح، دار النشر، بیروت

Marfat.com

مصادر و مراجع

(مصادر و مراجع کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے)

1 القرآن کریم

2 اتحاف الخیرہ المہرہ — احمد بن ابو بکر بن اسماعیل ابوصیری، دار صادر، بیروت

3 الاحاد والمثانی — امام احمد بن عمر الشیبانی، دار الرایہ۔ الریاض

4 اس نے کہا — عنایت اللہ، حکایت پبلشرز، میکلورڈ روڈ لاہور

5 اسباب النزول — الواحدی النیشاپوری، دار الکتب العلمیہ، بیروت

6 اسرار خودی — علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

7 امداد المشتاق — ملفوظات، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اسلامی کتب خانہ لاہور

8 انوار قمریہ — ملفوظات، شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، ادارہ تعلیمات تصوف لاہور

9 پیام مشرق — علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

10 الترغیب والترہیب — امام عبد العظیم المنذری، دار ابن حزم، بیروت

11 ترجمان السنۃ — مولانا بدر عالم میرٹھی، ادارہ اسلامیات، لاہور

12 تفسیر جلالین — امام جلال الدین سیوطی قاسم پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور

13 تفسیر روح البیان — علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

14 التفسیر الکبیر — امام فخر الدین رازی، مکتب الاعلام الاسلامیہ (1411ھ)

15 تفسیر القرآن العظیم — امام ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، دار الحدیث، قاہرہ

16 تفسیر الخازن — علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی دار الفکر، بیروت

17 التفسیر المنیر — الدکتور وہبہ الزحیلی، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، لاہور

18 تلاش — ممتاز مفتی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور

19 تلبیس ابلیس — علامہ ابن جوزی، کتب خانہ مجدیہ، ملتان

Marfat.com

20	تہذیب الآثار	ابوجعفر محمد بن جریر طبری، مطبعۃ المدنی، القاہرہ
21	تہذیب الاسماء واللغات	علامہ یحییٰ بن شرف نووی ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر
22	جامع البیان	امام محمد بن جریر طبری، دار المعرفۃ، بیروت
23	جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین	نعمان بن محمود آلوسی مطبعۃ المدنی (1401ھ)
24	الجمع بین الصحیحین	علامہ محمد بن فتوح، دار النشر، بیروت
25	حکایات رومی، طالب ہاشمی	شعاع ادب لاہور
26	الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی	دار الکتب العربی، بیروت
27	خزائن العرفان	مولانا نعیم الدین مرادآبادی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
28	دانش رومی وسعدی	ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
29	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید ابن ماجہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت
30	سنن ابی داوٗد	امام ابوداوٗد سلیمان بن اشعث، دار المعرفۃ، بیروت
31	سنن الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، داراحیاء التراث العربی، بیروت
32	السنن الکبری	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، مجلس دائرۃ النظامیۃ، حیدر آباد (1344ھ)
33	سنن النسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
34	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، مکتبۃ الرشیدیہ
35	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان بن احمد، موسسۃ الرسالۃ
36	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ
37	الفتح الربانی	شیخ الاسلام سید عبدالقادر جیلانی، فرید بک سٹال، لاہور
38	فتوح الغیب	شیخ الاسلام سید عبدالقادر جیلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
39	فوائد الفواد	مرتبہ، حضرت امیر حسن سنجری، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور
40	فیض القدیر بشرح الجامع الصغیر	علامہ عبدالرؤف المناوی، دار صادر بیروت
41	کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

42 کشکول مفتی محمد شفیع، کراچی
43 کلیات اقبال علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
44 مسدس حالی الطاف حسین حالی، خزینہ علم وادب، لاہور
45 مسند اسحاق بن راہویہ اسحاق بن راہویہ الحنظلی، مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ (1412ھ)
46 مسند احمد امام احمد بن حنبل، موسسۃ الرسالۃ (1420ھ)
47 المعجم الصغیر سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، دار الحرمین، القاہرہ
48 المعجم الاوسط سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، المکتب الاسلامی، بیروت
49 المعجم الکبیر سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل
50 محاضرات قرآنی ڈاکٹر احمد غازی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور
51 مخزن اخلاق مولانا رحمت اللہ سبحانی، ناشران قرآن، اردو بازار لاہور
52 المرتضیٰ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام، کراچی
53 مفردات الفاظ القرآن امام الراغب اصفہانی، اسماعیلیاں، چاپ نشر قم، ایران
54 مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، اسلامی کتب خانہ، لاہور
55 مکتوبات صدی شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
56 وحدت امت مولانا مفتی محمد شفیع، دار الاشاعت، کراچی
57 ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ پروفیسر عبدالغنی فاروق، مکتبۃ تعمیر انسانیت، لاہور

Marfat.com

خوشخبری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کا تفسیر اور فقہ کے میدان میں اگلا تاریخ ساز قدم

تفسیر روح المعانی

علامہ سید محمود آلوسی کی شہرہ آفاق، حکمت و معرفت سے لبریز تفسیر روح المعانی کا پہلا اردو ترجمہ جس کی سعادت ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف کے فاضل مترجمین حاصل کر رہے ہیں۔

15 جلد

تفسیر جلالین

علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی کی اجتماعی مثالی اور حسین تفسیر جو درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے، کا نیا دلآویز اور شاندار اردو ترجمہ جو طلبۂ دین کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔

2 جلد

فتاویٰ شامی

علامہ ابن عابدین شامی کی زندگی بھر کا نچوڑ، فتاویٰ شامی پہلی بار اردو ترجمہ کے ساتھ ادارہ ضیاء المصنفین کی انتھک محنت اور جگر کاوی کا ثمر۔ عنقریب ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

22 جز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور — 042-37221953- Fax: 042-37238010

دی کریم مارکیٹ اردو بازار لاہور — 042-37247350 Fax:042-37225085

۱۴۔ انفال سنٹر اردو بازار کراچی — 021-32212011- 32630411 Fax: 021-32210212

Email:Info@zia-ul-quran.com

Marfat.com

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری کارنامے

تفسیر ضیاء القرآن ۵ جلد
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کیلئے ایک نایاب تحفہ

جمال القرآن فی ترجمۃ القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے
ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

تفسیرات احمدیہ
ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ابن کثیر ۳ جلد
علامہ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر خزائن العرفان
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر احکام القرآن ۳ جلد
مولانا جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر الحسنات ۸ جلد
ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر دُرِّ منثور ۶ جلد
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مظہری ۱۰ جلد
عارف باللہ حضرت قاضی
ثناء اللہ پانی پتی

تفسیر قرطبی ۱۰ جلد
امام ابو عبد اللہ
محمد بن احمد
بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر اشرفی ۱۰ جلد
شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ سید
محمد مدنی اشرفی جیلانی
مدظلہ العالی

تفسیر سورۃ النساء
پروفیسر مفتی
منیب الرحمٰن

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۲ جلد
مفتی سعادت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

ضروری یادداشت

Marfat.com

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور- کراچی ○ پاکستان

Marfat.com